قال اللہ تعالیٰ النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم
العقائد الصحیحۃ
ترجمہ از تصنیف
زبدۃ السالکین عمدۃ العارفین محی السنۃ ماحی البدعۃ ثانی مجدد الالف ثانی
حضرت مولانا مرشدنا خواجہ حاجی حافظ محمد حسن جان صاحب
مجددی نقشبندی فاروقی قدس اللہ سرہ

قال اللہ تعالیٰ النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم

العقائد الصحیحہ

ترجمہ از تصنیف

زبدۃ السالکین عمدۃ العارفین محی السنۃ ماحی البدعۃ ثانی الاثنا ثانی
حضرت مولانا و مرشدنا خواجہ حاجی حافظ محمد حسن جان صاحب
مجددی نقشبندی فاروقی قدس اللہ سرہ

حسبِ حکم

عالی جناب حضرت بابرکت مولانا و مرشدنا آغا حاجی عبدالحمید جان صاحب
مجددی فاروقی نقشبندی مدظلہ العالی سجادہ نشین درگاہ
ٹنڈہ سائینداد ضلع حیدرآباد سندھ

ابو محمد مجددی
حاجی ڈاکٹر عبدالقادر جتوئی
رفیق احمد جتوئی
8 - B صدیق کوارٹس
باتھ آئلینڈ ۔ کراچی

درود فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

یہ لاجواب درود ہے۔ فضائل بیان کرنا ممکن نہیں۔ حضرت خاتون جنت سیدۃ نساء فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہے۔ اس درود پاک کو پڑھنے سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ ان گنت ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے قریب تر ہونے کے لیئے یہ درود ایک اعلیٰ ورد ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مَنْ رُوْحُهٗ مِحْرَابُ الْاَرْوَاحِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكَوْنِ ۞ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مَنْ هُوَ اِمَامُ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ ۞ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مَنْ هُوَ اِمَامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عِبَادِ اللّٰهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

فہرست

تعارف

حب نسب کا سلسلہ جو ۴۷ پشتوں سے خلیفہ ثانی حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ (جنکی پیدائش ۳۲ پشت میں ہوئی) سے لیکر حضرت خواجہ عبدالحمید جان مدظلہ العالی تک نیچے دیا گیا ہے۔ جس میں محترم حضرت صاحب کے بڑے صاحبزادے کا نام نمبر دار لکھا ہوا ہے۔

نام	تاریخ وصال	مزار شریف
قیوم رحمانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ	سرہند پٹیالہ
قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصومؒ (اول) عروۃ الوثقیٰ	۱۰۷۹ھ	" "
قیوم زمان حضرت خواجہ محمد صبغۃ اللہؒ	۱۱۲۲ھ	" "
قدوۃ العالمین حضرت خواجہ محمد اسماعیلؒ شہید	۱۱۳۶ھ	" "
غوث الاغواث حضرت خواجہ غلام محمدؒ معصوم ثانی	۱۱۶۱ھ	" "
قدوۃ الاولیاء حضرت شاہ غلام محمدؒ	۱۱۷۸ھ	پشاور
قدوۃ العارفین حضرت شاہ غلام حسنؒ پشاوری	۱۲۰۴ھ	"
قیوم جہاں حضرت شاہ غلام نبیؒ قندھاری	۱۲۲۶ھ	قندھار
قطب زماں حضرت شاہ فضل اللہؒ	۱۲۳۸ھ	"
قدوۃ السالکین حضرت شاہ عبدالقیومؒ	۱۲۷۱ھ	"
سراج الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمان جانؒ	۱۳۱۵ھ	گنجو ٹکر

نام	تاریخ وصال	مزار شریف
زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمد حسن جان ؒ ثانی الالف ثانی	۲ رجب ۱۳۶۵ھ	گنبو ٹکر (نزد حیدرآباد سندھ)
قطب الاقطاب حضرت خواجہ عبداللہ جان ؒ المعروف		
حضرت شاہ آغا	۳ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ	"
امام العارفین حضرت خواجہ غلام علی جان ؒ	۲۶ شعبان ۱۳۹۷ھ	"

حضرت خواجہ حاجی عبدالحمید جان مدظلہ العالی اس وقت مسند نشین ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ حاجی عبدالوحید جان مورو کے دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

نوٹ :- حضرت امام ربانی ؒ مجدد الف ثانی کے وصال کے بعد آپ کی اولاد امجاد پہلی سے چوتھی پشت تک سرہند شریف (ریاست پٹیالہ) میں مقیم رہیں۔ پانچویں سے نویں پشت تک پشاور اور قندھار میں مقیم رہیں۔ اور دسویں پشت سے سندھ میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی درگاہ ٹنڈو محمد خان کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں (ٹنڈو سائیں داد) میں واقع ہے۔

سراج الاولیا حضرت خواجہ عبدالرحمان جان ؒ کی سندھ میں آمد :

جب افغانستان میں امیر ایوب خان اور امیر عبدالرحمان کے درمیان تخت کیلئے جنگ چھڑی اس وقت عام مسلمان امیر ایوب خان کی طرف تھے۔ اور انگریز امیر عبدالرحمان کی طرف تھے۔ جنگ میں ایوب خان کو شکست ہوئی اور وہ ملک چھوڑ کر فرار ہو گیا۔

امیر عبدالرحمان کے تخت پر بیٹھتے ہی غازیوں پر بڑے ظلم و ستم کیے گئے۔ اکثر بہادر سردار قتل کرا دیئے گئے۔ اس لیئے بہت سے مجاہدین افغانستان سے ہجرت کر گئے۔ حضرت خواجہ عبدالرحمان ؒ بھی ان ہی غازیوں میں شامل تھے۔

جنہوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہا۔

سندھ میں پہلے ہی آپ کے بہت سے مریدین و معتقدین تھے۔ جن کے پاس ویسے بھی آپ ہمیشہ آتے رہتے تھے۔ افغانستان چھوڑنے کے بعد آپ نے ریاست قلات کے رئیس فقیر محمد متوفی کے پاس قیام فرمایا۔ اس کے بعد حیا گجار میں مولوی حامد اللہ اور ملا عبدالحکیم کے پاس کچھ دن قیام کرنے کے بعد گرلمی ٹپین میں رئیس اعظم عطاء اللہ خان کے پاس قیام فرمایا۔ اس کے بعد مٹیاری میں تشریف لائے۔ جہاں آپ کے بہت زیادہ مرید تھے۔

ہر جگہ پر مریدوں نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے پاس رہیں۔ لیکن آپ نے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ ہم یہاں رہنے کیلئے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا عربستان جانے کا ارادہ ہے۔ مٹیاری میں آپ کے مخلص مرید میران محمد شاہ اول (ٹکھڑائی) نے بہت زیادہ اصرار کیا۔ کہ ٹکھڑ میں چل کر رہیں۔ حضرت صاحب نے شاہ صاحب کی گذارش قبول فرمائی اور ٹکھڑ میں تشریف فرما ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ سال ٹکھڑ میں قیام کرنے کے بعد عربستان تشریف لے گئے۔ وہاں پانچ سال گذارنے کے بعد سنہ ۱۳۰۵ھ میں ٹکھڑ واپس تشریف لائے۔

ٹکھڑ میں آپ کی تشریف آوری سے ٹکھڑ کا چھوٹا سا گاؤں روحانیت اور معرفت کا مرکز بن گیا۔ ہند، سندھ اور کابل قندھار کے لوگ آپ سے فیض حاصل کرنے کیلئے بڑی مسافت طے کر کے ٹکھڑ پہنچتے تھے۔ آپ کی صحبت میں ہزاروں راہ حق کے متلاشی اپنی منزل تک پہنچے اور واصل باللہ ہوگئے آپ کا فیض اب بھی جاری و ساری ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری دس سال ٹکھڑ میں گذارنے کے بعد سنہ ۱۳۱۵ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک گنجو ٹکر کے دامن میں ٹکھڑ سے تین میل شمال مشرق

میں واقع ہے۔

زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ

حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ اپنے والد صاحب کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ ایک سال کا عرصہ ٹکھڑ میں گذارا۔ ۱۳۱۶ھ میں ٹکھڑ کو چھوڑ کر ٹنڈو سائینداد میں مستقل سکونت اختیار کی اور آج تک آپ کی درگاہ اس قصبے میں ہے۔ جناب حضرت قبلہ گاہم قدس سرہ کی ولادت باسعادت بتاریخ ۶، شوال ۱۲۷۸ھ کو قندھار میں ہوئی۔ آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت آپ کے والد ماجد نے کی۔ جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور ولی اللہ تھے۔ اس کے بعد دو سال تک مٹیاری کے مشہور مولوی لال محمد صاحب سے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی اور پانچ سال عرب میں جاکر اس وقت کے ممتاز عالم حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ کے پاس مدرسہ "صولتیہ" میں اپنے علم کی تکمیل کی اور مکہ مکرمہ کے مفتی شیخ احمد زینی دحلان سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور روایت صحاح ستہ کی اجازت بھی ان سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو قرآن پاک حفظ کرنے کا شوق ہوا۔ تھوڑے عرصے میں بائیس پارے مکہ شریف میں حفظ کیئے اور باقی آٹھ پارے ٹکھڑ میں آنے کے بعد حفظ کیئے۔

آپ کی عمر مبارک ۸۰ سال تھی۔ اس مدت میں پانچ مرتبہ حج مبارک کرنے کی سعادت پائی۔ سات مسجدیں تعمیر کرائیں۔ گیارہ مدرسے قائم کیئے۔ اور باوجود اپنی عدیم الفرصتی کے آپ تبحر علمی اور تصنیف و تالیف دینیہ میں اس قدر دسترس رکھتے تھے کہ آپ کی مختلف تصانیف آپ کے حیات مبارک میں ہی بہت مقبول عام و خواص ہوئیں۔ اور انکے تراجم مختلف زبانوں میں شائع

ہوئے۔ آپ نے تقریباً پچیس ۲۵ کتابیں اور اس کے علاوہ دوسرے چھوٹے رسالے تصنیف فرمائے، مثلاً:

۱۔ انیس المریدین (۱۳۱۶ھ۔ فارسی) اس کتاب میں آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ عبدالرحمانؒ کی سوانح حیات لکھی ہے۔ تصوف کے اسرار اور اذکار کے مقامات اور وہ کرامتیں جو اُن کے والد بزرگوار سے ظہور پذیر ہوئیں، درج ہیں۔ دو سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب خواص و عام کیلئے بہت فیض بخش ہے۔ اس کا سندھی ترجمہ زیر طبع ہے۔

۲۔ تذکرۃ الصلحاء (فارسی۔ ۱۳۲۶ھ) اس کتاب میں حضرت مصنف نے مختلف بزرگوں کے حالات جن سے اُنکی ملاقات ہوئی بیان فرماتے ہیں۔ نیز طرح طرح کے مشاہدات بزرگان کرام اور عجائبات چشم دید درج فرماتے ہیں۔ بیاسی ۸۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا اُردو ترجمہ بھی حضرت مصنف کی حیات مبارک میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے سندھی ترجمہ کا کام حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ اکیڈمی کی طرف سے ہو رہا ہے۔

۳۔ شرح حکم (فارسی۔ ۱۳۴۴ھ) اصل کتاب عربی زبان میں شیخ عطاء اللہ سکندری کی لکھی ہوئی ہے۔ جس کی شرح مختصراً اور واضح طرح سے لکھی گئی ہے۔ تصوف کی یہ کتاب سالکان حق کیلئے ایک عجیب تحفہ ہے جبکہ اس کتاب کی پہلے بھی کئی شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن شاید اتنا آسان اور واضح کبھی نہ لکھی گئی ہو۔ دو سو آٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا سندھی اور اُردو ترجمہ حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ اکیڈمی کی طرف سے زیر طبع ہے۔

۴۔ الاصول الاربعہ (فارسی۔ ۱۳۴۶ھ) اس کتاب میں چار بنیادی

اصولوں کا بیان حنفیہ عقیدے کے مطابق کیا گیا ہے۔ (i) غیر اللہ کی تعظیم (ii) وسیلہ لینا (iii) نمازِ غائب (iv) چاروں عقیدوں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا۔ ایک سو ستائیس صفحوں پر مشتمل یہ کتاب آپ کے حیات مبارک میں ہی ہند، سندھ، افغانستان کے علاوہ عرب اور عجم کے دوسرے ممالک میں بھی بہت مقبول ہوئی۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں ترکی سے بھی شائع ہوا۔ اس کا سندھی ترجمہ زیرِ طبع ہے۔

۵۔ طریق النجات (فارسی ۱۳۲۹ھ) یہ کتاب حضرت امام غزالیؒ کی کتاب "کیمیاءِ سعادت" کی طرح لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ایک کسوٹی ہے۔ جس کے مطالعے سے کھرے اور کھوٹے طریقے کی پرکھ ہو جاتی ہے۔ ایک مشعل ہے جس کی روشنی میں ہدایت و ضلالت میں فرق کرنے کی سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عقائد کے سلسلہ میں محبت آل و اصحاب، ضرورت تقلید، تعریف بدعت سمجھائی گئی ہے اس کے علاوہ اعمال بدنیہ کے تحت نماز روزے وغیرہ کا بیان اعمال روحانیہ کے تحت مذمت کینہ، حسد و بخل اور حرص وغیرہ کا اور محبت الٰہی اور سبحانہٗ و تعالیٰ کے تحت رضا، اخلاص صدق وغیرہ اور مسئلہ تقدیر کا بیان اس خوبی سے کیا گیا ہے کہ کسی دوسری کتاب میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ کتاب دو سو چھیاسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور حضرت مصنفؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جانؒ صاحب کا اُردو ترجمہ (اصل عبارت کے سامنے) خود حضرت مصنف کے حیات مبارک میں شائع ہوا۔ اور بہت مقبول ہوا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ترکی سے شائع ہوا ہے۔ اور اُردو ایڈیشن ۱۹۷۹ء میں سیالکوٹ سے بھی شائع ہوا ہے۔

۶۔ العقائد الصحیحہ (عربی سن ۱۳۶۰ھ) اہل سنت والجماعت کے صحیح عقیدوں پر لکھی ہوئی یہ کتاب (جو آپ کے ہاتھوں میں ہے) بھی حضرت قبلہ کی حیات

مبارک میں ہی عرب اور عجم میں بہت مقبول ہوئی - اس کا اُردو ترجمہ بھی انہی دنوں میں شائع ہو چکا تھا - اس کتاب کے ۱۰۴ صفحات پر مشتمل سندھی ترجمہ کے دو ایڈیشن ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۴ء میں حضرت خواجہ محمد حسن جان رح اکیڈمی کی طرف سے چھپ چکے ہیں -

۷، شفاء الامراض (فارسی - ۱۳۱۴ھ) ۸، عہود و مواثیق (عربی)
۹، پنج گنج (فارسی - ۱۳۲۱ھ) - ۱۰، سفرنامہ عربستان (فارسی ۱۳۳۲ھ)
۱۱، عجائب المقدورات (فارسی ۱۳۳۶ھ) ۱۲، اشارۃ الی البشارۃ - (عربی)
۱۳، انساب الانجاب (فارسی ۱۳۴۱ھ) ۱۴، لغات القرآن (عربی)
دیگر رسائل، مثلاً رسالہ (i) ردِ ملحدین - (عربی - ۱۳۵۶ھ) (ii) در سلوک و کیفیت نقشبندیہ (فارسی) (iii) وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود (فارسی)
(iv) رسالۃ التنویر فی اثبات التقدیر (عربی - اُردو - ۱۳۴۹ھ)
(v) رسالہ فی باب صحۃ الجمعۃ (عربی) (vi) رسالہ در قواعد تجوید (۱۳۴۹ھ عربی) (vii) رسالہ تہلیلیۃ - (فارسی ۱۳۵۴ھ) وغیرہ

حضرت خواجہ محمد حسن جان رح کو لوگ مختلف القاب سے یاد کرتے تھے آپ رح کو حضرتِ وقت، قطب الاقطاب اور ثانی المجدد الف ثانی بھی کہتے تھے خواجہ صاحب کا کمال یہ تھا، کہ آپ کے عقیدتمندوں کے حلقے میں زیادہ تر عالم و فاضل لوگ تھے - اور ساتھ ہی انگریزی تعلیم یافتہ لوگ بھی بڑی تعداد میں تھے - حالانکہ یہ دونوں طبقے پیروں فقیروں کے معتقد نہیں ہوتے - بلکہ مخالف ہوتے ہیں -

حضرت صاحب مریدوں اور عقیدتمندوں کو نماز قائم کرنے اور فجر کی نماز سے لیکر طلوع آفتاب تک مراقبے میں بیٹھ کر ذکر الٰہی کرنے کی تلقین

فرماتے تھے۔ آپ کے اکثر مرید تہجد گذار و شب بیدار تھے۔ اور
اکثر صاحب ولایت بھی تھے۔

حضرت صاحب اکثر پُرجلال نظر آتے تھے۔ آپ کی محفل میں ہر ایک
دم بخود ہوتا تھا۔ کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ جس قدر جلوت
میں جلالی نظر آتے تھے اسی قدر خلوت میں جمالی معلوم ہوتے تھے۔ اگر کوئی
شخص دعا کیلئے گذارش کرتا، اور آپ خاموش رہتے تو اسکے دل کی مراد
قبولیت کے درجہ تک پہنچ جاتی تھی۔ آپ کا کشف بھی حدِ کمال کا تھا۔ کہ
عرض کرنے سے پہلے ہی جواب مل جاتا تھا۔

جیسا کہ حضرت امام ربانیؒ نے فرمایا ہے کہ آپ کی اولاد میں
قطبیت قیامت تک قائم رہے گی۔ حضرت صاحب ممدوح آپ کی پشت میں
وقت کے قطب بلکہ قطب الاقطاب تھے۔ اور آپ کے بعد آپ کی آل
اولاد بھی قطبیت سے سرفراز ہوئی۔

جبکہ اس دارِ فانی سے دار البقاء کی طرف ہر ایک کو جانا ہے۔
حضرت صاحبؒ نے بھی تقریباً چالیس دن کی بیماری کے بعد بروز پیر ۲ رجب
۱۳۶۵ھ، ۶ جون ۱۹۴۶ء ستاسی سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

قطب الاقطاب حضرت خواجہ عبداللہ جانؒ المعروف شاہ آغا

اپنے والد صاحب کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ آپ کی
ولادت باسعادت ۸، ماہ جمادی الاول ۱۳۰۵ھ میں قندھار شریف میں
ہوئی۔ دس سال کی عمر تک اپنے دادا حضرت خواجہ عبدالرحمانؒ کی گود میں

تربیت و تعلیم حاصل کی۔ فارسی کتاب پوری کرنے کے بعد عربی کا پہلا سبق ، "صرف بہائی" آپ سے لیکر اس کے بعد باقاعدہ دینی علوم کی کتابیں، مولوی عبدالقیوم بختیارپوری مولوی لعل محمد متیاروی اور مخدوم حسن اللہ پاٹائی کے پاس پڑھی اور باقی تعلیم مولوی خیر محمد منگسی کے پاس پوری کی۔

آپ کی عمر مبارک ۸۲ ، سال تھی ۔ اس عرصہ میں چار حج کیئے ۔ چند مسجدیں تعمیر کروائیں ۔ کافی مدرسے قائم کیئے ۔ اور تقریباً پندرہ کتابیں اور چھوٹے رسالے تصنیف کیئے ۔ مثلاً انتخاب مکتوبات شریف (فارسی) جس میں ہر ایک مکتوب کا اختصار باب کے مطابق مرتب کیا ہے ۔ مثلاً پہلا باب عقائد اہلسنت والجماعت دوسرا باب مسائل فقہ اور تیسرا باب حقائق و معارف ۔

۲، اربعین مکتوبات (فارسی) جس میں چالیس آسان مکتوب منتخب کرکے شاگردوں کو پڑھانے اور یاد کرانے کیلئے لکھی ہیں ۔

۳، مؤنس المخلصین ۔ (فارسی) جس میں اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ محمد حسن جان کی سوانح حیات لکھی ہے ۔

۴، حفظ حدیث ۔ (فارسی) یہ کتاب حدیث کے منکروں کے رد میں لکھی ہے ۔

۵، ہدایت الحج ۔ (سندھی) یہ کتاب حج کے مسائل کیلئے بے نظیر ہے ۔

۶، راحت القلوب ۔ (سندھی) جس میں روحانی و جسمانی بیماریوں کا علاج لکھا ہے ۔

۷، راحت المخلصین (سندھی) اس کتاب میں اپنے بچپن کے دور کا احوال، تعلیم و تربیت علم و ذوق شوق اور وعظ و نصیحت لکھی ہیں ۔

۸، الارشاد شرح بانت سعاد ۔ (سندھی) اس کتاب میں ایک عربی

قصیدے کی شرح اور حل ترکیب لکھی ہے۔

۹۔ احسن الوسائل فی تحقیق المسائل۔ (سندھی) اس کتاب میں مختلف مسئلوں اور سوالوں کے جواب لکھے ہیں۔

۱۰۔ مخزن العلوم۔ (سندھی) حصۂ علم و ادب کا۔ حصۂ علم قرأت، حصۂ علم فقہ کا۔ حصۂ علم حدیث کا۔ حصۂ علم تعویذات کا۔ اور حصۂ علم طب کا۔

۱۱۔ شرح قافیہ (عربی) اس کتاب میں قافیہ کی شرح لکھی ہے۔

۱۲۔ طب میں تعریف الامراض اور تفریق الامراض دو کتابیں لکھی ہیں (۱) پہلی کتاب عربی زبان میں ہے۔ اور دوسری کتاب فارسی زبان میں ہے۔

۱۳۔ برگ سبز۔ (فارسی) اس کتاب میں درخت نیم کے فائدے بیان کیے ہیں۔

نوٹ: حضرت صاحب اپنے ذاتی خرچ سے کتابیں چھپوا کر مفت تقسیم کرتے تھے۔ جس قدر آپ کی تحریر میں اثر تھا اس سے زیادہ آپ کی نگاہ میں اثر تھا۔ جن پر آپ نے نگاہ ڈالی۔ اُس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہدایت نصیب ہوئی۔ مطلب یہ کہ آپ نے اپنی ساری زندگی مریدین اور معتقدین کی باطنی اور ظاہری تعلیم و تربیت میں گذاری۔ اپریل ۱۹۷۳ء میں چھمبڑ کے راستے میں آپ کی جیپ کی ٹکر ایک بس سے ہوئی جس میں آپ شدید زخمی ہو گئے۔ اور آپ کو زخمی حالت میں جامشورو ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ آپ کے ہزاروں مرید و معتقد ہسپتال میں پہنچے۔ اور رئیس غلام مصطفےٰ خان اور رئیس غلام مجتبےٰ خان جتوئی بھی آپ کی مزاج پرسی کیلئے ہسپتال میں پہنچے۔ لیکن آپ نے کسی سے بھی اپنی تکلیف کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ اور اُس وقت بھی کوئی نماز ترک نہ کی۔ خلیفہ سائینداد اور ماسٹر نور محمد پٹھان اور اُن

کے فرزند محمد قاسم اور مبارک علی رات دن آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔ جن کا آپ نے پہلے ہی اس خدمت کیلئے انتخاب کر لیا تھا۔ آپ ایک ہفتے تک ہسپتال میں زیرِ علاج رہے۔ آخری رات عشاء کی نماز کے بعد قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ تہجد کے وقت قرآن پاک ختم کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ جس کو نیند سمجھا گیا۔ حالانکہ وہی آپ کا وصال تھا۔ آپؒ نے ۲۔ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ بمطابق ۷۔ اپریل ۱۹۷۳ء کے دن دارالبقاء کی جانب سفر اختیار کیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

امام العارفین حضرت خواجہ غلام علی جانؒ

حضرت خواجہ غلام علی جانؒ اپنے والد حضرت خواجہ عبداللہ جانؒ المعروف شاہ آغا قدس سرہ العزیز کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت اپنے دادا حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ سے ہوئی۔ اور باقی تعلیم ٹھٹھہ کے دینی مدرسہ میں حاصل کی۔ حضرت صاحب نے اپنی ساری زندگی عبادت، ریاضت اور فقر و فاقہ میں گذاری۔ آپ کی بیٹھک ایک چھوٹی سی کچی کوٹھڑی میں تھی۔ جس میں ایک چارپائی، ایک چٹائی دو تین پیالے اور ایک کیتلی نظر آتی تھی۔ حضرت صاحب اکثر مستغرق و مراقب رہتے تھے۔ اور اسی کیفیت میں حاضرین میں سے کسی پر ایک نگاہ ڈالنے سے اس کو باطنی فیض سے اتنا نوازتے تھے کہ وہ بے قابو ہو جاتا تھا اور نتیجۃً واصل باللہ ہو جاتا تھا۔ آپ یتیموں، مسکینوں، غریبوں اور چھوٹے بچوں سے پیار کرتے تھے۔ اسلئے آپ کو لوگ "غریب نواز" کہتے

تھے ۔ میاں محمد منیر ابڑو ، ولی محمد سومرو ، ایوب فقیر سومرو اور دلوجان پٹھان آپ کے خاص خادم تھے ۔ آپ سفر میں محمد منیر کو ساتھ رکھتے تھے ۔ ماہ رجب ۱۳۹۷ھ میں آپ حاجی کریم بخش جتوئی محمد منیر اور امام بخش خان جتوئی کے ہمراہ عمرہ کیلئے تشریف لے گئے ۔ وہاں آپ کی عجیب و غریب کرامتیں ظاہر ہوئیں ۔ (جنکے اظہار کی اجازت نہیں ہے) آپ ، ایک مہینہ کے بعد واپس آئے ۔ اور چند دنوں کے بعد تاریخ ۲۵ شعبان کو رحلت فرمائی ۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت خواجہ عبدالحمید جان مدظلہ

حضرت الحاج خواجہ عبدالحمید جان مدظلہ کی ظاہری و باطنی تربیت اپنے دادا حضرت آغا عبداللہ جان کے پاس ہوئی ۔ آپ کمسنی سے ہی سفر و حجر میں اپنے دادا کے ساتھ رہتے تھے ۔ آپ اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد ۱۳۹۷ھ میں مسند نشین ہوئے ۔ آپ کو ۱۳۹۶ھ میں حج کی سعادت نصیب ہوئی ۔ اور مسند نشینی کے دوسرے سال آپ کو حضور علیہ صلوٰۃ والسّلام کے روضۂ اقدس پر حاضری کا شرف حاصل ہوا ۔ آپ تقریباً دو ماہ تک مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران حضور علیہ صلوٰۃ والسّلام کی ظاہری و باطنی عنایات و توجہ خاصہ سے سرفراز ہوئے ۔ اسی سال پھر آپ کو دوسری مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی ۔ آپ ٹنڈو سائینداد ضلع حیدرآباد میں سلسلہ مجددیہ کے چراغ کو حسب دستور روشن کیے ہوئے ہیں ۔

پیر ۱۵ رجمادی الثانی ۱۴۰۴ھ
مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۸۴ء

ابو محمد مجددی
(غلام اکبر جتوئی)
B-8 صدیق کورٹس ۔ باتھ آئلینڈ ۔ کراچی

۲۔ دیباچہ

اَلحمدُ للّٰہ وکفیٰ والسّلام علیٰ نبیّہٖ ورسولہ المصطفٰی
وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ البررۃ اھل التقیٰ ۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد عبد ضعیف محمد حسن فاروقی حنفی گذارش کرتا ہے۔
کہ عہد حاضر میں وہابیہ اور حنفیہ کے درمیان کمال اختلاف پڑا ہوا ہے۔
عام عقائد میں حتیٰ کہ الٰہیات میں اور مفہوم رسالت میں اور ان مسائلِ
شرعیہ میں بھی اختلاف ہے۔ جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ اختلاف اب
ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ چکا ہے۔ جسکی وجہ سے اُمت محمدیہ میں ناگفتہ بہ
تشتت وافتراق پڑ گیا ہے۔ اس لیئے مَیں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس
مختصر سی کتاب میں اہل سنّت والجماعت کے عقائد مختصر طور پر بیان
کروں اور حتی الوسع مخالفین کے اقوال نقل کرنے سے کنارہ کش رہوں۔ مگر
بقدرِ ضرورت نقل بھی کروں گا۔ اور خدا سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں
کو کجروی اور اغلاط سے محفوظ رکھ کر اس کتاب کی طفیل سے ان کو فائدہ
بخشے گا۔ آئندہ خدا مالک ہے جو چاہے کرے، اسی کی بارگاہِ عالی میں میری
درخواست منظور ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ میں اس رسالہ میں عموماً نہ احادیث
شریف سے دلیل پیش کروں گا، نہ اقوالِ آئمہ سے اور نہ اقوال علمائے اسلام
سے، مگر بقدرِ ضرورت پیش کرتا جاؤں گا۔ تاکہ ان کی قابلِ قدر قیاساتِ
شرعیہ مخالفین کی بدزبانیوں سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ ان کی عادت ہے
کہ کوئی حدیث جب ان کے خیال کے مطابق نہ ہو تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ
ضعیف ہے۔ یا موضوع ہے۔ اگرچہ اکابرِ اسلام نے اس حدیث کو استدلال

کے موقعہ پر پیش کیا ہو۔ چنانچہ جناب امام غزالیؒ، امام سیوطیؒ، شیخ عبدالحقؒ محدث دہلویؒ اور محدث ملا علی قاریؒ وغیرہم ایسے استدلال پیش کر چکے ہیں۔ اور مخالفین حسبِ عادت ائمہ دین اور اکابرِ اسلام کے ایسے استدلات جب دیکھتے ہیں تو ان کے حق میں گستاخی کرنا شروع کر دیتے ہیں خدا ہی ان کو سنبھالے، اسلیئے مَیں عموماً اس موقعہ پر قرآنی آیات ہی پیش کروں گا جس کی مخالفت اِدھر اُدھر سے نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ خدائے حکیم وحمید کا کلام ہے۔ علاوہ ازیں موضع اختلاف میں انصاف سے فیصلہ کروں گا۔ اور قولِ باطل پر قدم نہ جماؤں گا۔ اس کے بعد اس رسالہ کا نام مَیں نے اَلْعَقَائِدُ الصَّحِیْحَۃُ رکھا ہے۔ اَب سَب سے پہلے مَیں وہ مضمون لفظ بہ لفظ پیش کرتا ہوں۔ جو حضرت امام حجۃ الاسلام محمد الغزالی رحمتہ اللّٰہ نے توحید اور الہیات اور منصبِ رسالت کے متعلق اپنی کتاب قواعد العقائد میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ مضمون اس مقام کیلئے بہت ہی موزوں ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُبْدِئِ الْمُعِیْدُ الْفَعَّالِ لِمَا یُرِیْدُ ذِی الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ وَالْبَطْشِ الشَّدِیْدِ الْھَادِیْ صَفْوَۃَ الْعَبِیْدِ اِلَی الْمَنْھَجِ الرَّشِیْدِ۔ وَالْمَسْلَکِ السَّدِیْدِ۔ اَلْمُنْعِمِ عَلَیْھِمْ بَعْدَ شَھَادَۃِ التَّوْحِیْدِ بِحِرَاسَۃِ عَقَائِدِھِمْ مِنْ ظُلُمَاتِ التَّشْکِیْکِ وَالتَّرْدِیْدِ۔

۳۔ توحید

خداتعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تابعداری کے لئے انتخاب کرلیا ہوا ہے اور آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے نقش قدم پر چلنے کے لیے چن لیا ہے۔ اپنی تائید اور توفیق سے خدائے تعالیٰ اپنی ذات اور اپنے افعال میں اپنے اوصافِ حسنہ کے ذریعہ سے ان پر جلوہ گر ہے۔ مگر ان صفات کو وہی دریافت کرسکتا ہے۔ جو غور سے سنے اور خدا کو حاضر و ناظر جانے۔ اس نے یہ بھی ان کو بتادیا ہے۔ کہ وہ اپنی ذات میں یگانہ ہے۔ ایسا قدیم ہے۔ جس کی ابتدا نہیں ہمیشہ موجود ہے۔ جبکی آخری حد نہیں۔ ازل وابد میں موجود ہے جبکی انتہا نہیں، مستقل بالذات ہے۔ کسی قسم کی کسر اس کی ذات میں باقی نہیں، دائم وقائم ہے۔ جس کا خاتمہ نہیں، صفاتِ جلالیہ کے ساتھ ازلی و ابدی وجود ہے۔ اس کے متعلق یہ کبھی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا کہ اسکی دائمی زندگی کے اوقات ختم ہوچکے ہیں یا اسکی مدّتِ حیات گزر چکی ہے۔ وہی اوّل ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے۔ وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کو ہمیشہ سے جانتا بھی ہے۔

خداتعالیٰ کا تقدّس

خدا کسی جسم اور صورت میں نہیں، نہ محدود چیز ہے جس کا تخمینہ لگایا جائے۔ کسی جسم کی مثل بھی نہیں کہ اس میں قیاس لگایا جائے۔ یا اسکی تقسیم ہو سکے۔ نہ وہ ٹھوس مخلوق ہے نہ غیر مستقل چیز ہے۔ جو دوسرے کے آسرے

سے پائی جائے۔ نہ وہ صفاتی چیز ہے۔ نہ صفاتی ناپائیدار چیزوں کا مرکز ہے
وہ کسی ہستی کی مثل نہیں، نہ کوئی ہستی اسکی مثل ہے۔ بلکہ اسکی مثال کی
بھی مثال نہیں۔ ۔ اور نہ ہی اسکی مثال
کسی چیز کی مثل ہے کوئی مقدار اس کو محدود نہیں کرتی، نہ اطراف اسکو اپنے
اندر سمیٹ سکتے ہیں۔ کوئی جہت اسے اپنے احاطہ میں نہیں لا سکتی۔ زمین
و آسمان بھی اسے نہیں سنبھال سکتے۔ وہ اپنے عرش پر قائم ہے۔ مگر اسی طرح
جو اس نے خود کہا ہے۔ اور اسی کیفیت سے جو اس کے اپنے ارادہ میں ہے
اس کا وہ قیام اتصال اور چھونے سے بالاتر ہے۔ اور اندراج اور جذب
سے الگ ہے، اسمیں انتقال بھی نہیں، عرش اُسے اٹھائے ہوئے بھی نہیں
بلکہ وہ خود اپنے عرش کو اور اس کے اٹھانے والے فرشتوں کو اپنے دستِ قدرت
سے اٹھائے ہوئے ہے۔ اور اس کے قبضہ میں مغلوب ہیں۔ وہ عرش پر ہے اور
آسمان پر بھی۔ بلکہ تحت الثرےٰ تک ہر چیز پر فائق ہے۔ یہ فوقیت نہ اسے
آسمان اور عرش کے قریب کرتی ہے۔ اور نہ زمین اور تحت الثرےٰ سے دور
لے جاتی ہے۔ وہ عرش و آسمان سے بالاتر مرتبہ رکھتا ہے۔ تاہم وہ ہر چیز
تحت الثریٰ سے بالاتر ہے۔ تاہم وہ ہر چیز کے قریب ہے۔ اور شہ رگ سے
زیادہ اپنے بندہ کے قریب ہے۔ اور ہر چیز کا نگرانِ حال بھی ہے۔ کیونکہ وہ
اس طرح قریب نہیں جسطرح کہ جسم قریب ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کی
حقیقت کسی جسمانی حقیقت سے نہیں ملتی۔ نہ وہ کسی میں حل اور تبدیل ہوتا ہے
اور نہ کوئی چیز اس میں حل اور تبدیل ہو سکتی ہے۔ وہ اس امر سے بھی بالاتر
ہے کہ کوئی مکان اسے اپنے اندر سمیٹ لے جس طرح کہ اس امر سے بھی بالاتر
ہے۔ کہ کوئی زمانہ اسے محدود کرے بلکہ وہ خود زمانہ اور مکان پیدا کرنے سے پہلے موجود

تھا اور اب بھی اسی طرح موجود ہے۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ اپنے صفات میں اپنی مخلوق سے نرالا ہے۔ اس کی ذات میں اس کا غیر موجود نہیں نہ غیر میں وہ موجود ہے۔ وہ تغیر و تبدّل سے پاک ہے۔ نہ حوادث اسمیں جاگزین ہیں۔ اور نہ صفاتی ناپائیدار حالات اسمیں موجود ہیں۔ بلکہ وہ اپنے جلال میں موجود ہے۔ اور زوال سے پاک ہے۔ وہ اپنے صفاتِ کاملہ میں موجود ہے۔ کسی اور تکمیل کی اسے ضرورت نہیں صرف عقل سے اس کا وجود معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کی ذات بھی آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہے۔ جب کہ دوسری دنیا میں اپنے نیک بندوں پر فضل و کرم کی نگاہ کرے گا۔ اور اپنے مبارک چہرہ کے دیدار سے ان کی تکمیلِ نعمت کرے گا۔

خدا تعالیٰ کی ابدی زندگی اور قوت

وہ زندہ، طاقتور، صاحبِ قدرت، ہر چیز پر غالب، ہر شکستہ دِل کا سہارا ہے۔ اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں، اور نہ عاجزی، نہ اسے نیند آتی ہے، نہ اونگھ، اور نہ اسے فنا اور موت سے پالا پڑا ہے۔ وہ حکومت اور بندوبست کا مالک ہے۔ عزت اور غلبہ کا بھی مالک ہے۔ مخلوق پر تسلّط اور غلبہ اُسی کا ہے۔ وہی نسل سے پیدا کرتا ہے۔ اور وہی کُن کہنے سے پیدا کرتا ہے۔ تمام آسمان اس کے دستِ قدرت کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوتے ہیں۔ تمام مخلوقات اس کے قبضہ میں مغلوب ہے۔ صرف وہی مادّہ اور مادہ کے

کے بغیر پیدا کر سکتا ہے۔ اپنی ایجاد و اختراع میں یکتا ہے۔ اس نے ہی اپنی مخلوقات کو اور اس کے اعمال کو پیدا کیا ہے۔ اسی نے اسکی روزی اور موت کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ کوئی مخلوق اسکی قدرت سے خارج نہیں ساری کائنات کے تصرفات بھی اسکی قدرت سے باہر نہیں، اس کی قدرت کا اندازہ نہیں لگایا جاتا۔ اور نہ ہی اس کے معلومات کی کوئی انتہا ہے۔

خدا تعالیٰ کا علم

وہ تمام اشیاء کا عالم ہے، اس کا علم تمام ان چیزوں پر حاوی ہے جو زمین کے کناروں سے لے کر اوپر کے آسمانوں تک جاری ہیں۔ ایسا عالم ہے کہ اس کے علم سے ذرہ بھر بھی زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں۔ بلکہ ٹھوس پتھر پر جب چیونٹی سخت اندھیری رات میں دبے پاؤں چلتی ہے۔ تو اس کی رفتار سے بھی آگاہ ہے۔ اور جو ذرات ہوا میں اڑتے ہیں۔ اُن کی حرکت کو بھی جانتا ہے، وہ راز اور راز سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے۔ دل کے خیالات اور خیالات کی حرکات بھی جانتا ہے اور پوشیدہ سے پوشیدہ بھید کو بھی جانتا ہے۔ مگر اس کا یہ علم ازلی ہے۔ جو ہمیشہ سے ہمیشہ میں اسکی صفت ہے۔ وہ کسی نو پیدا علم سے نہیں جانتا جو کبھی اس کی ذات میں آئے اور کبھی نکل جائے۔

خدا تعالیٰ کا ارادہ

وہ مخلوقات میں اپنا ارادہ برتتا ہے۔ تمام نو پیدا مخلوق میں انتظام کرتا ہے، جو بھی اسکی بادشاہت میں کم و بیش، خورد و کلاں، دکھ سکھ

نفع وضرر، ایمان وکفر، خداشناسی یا انکار، کامیابی یا ناکامی، زیادتی یا نقصان، فرمانبرداری یا بے فرمانی ہوتی ہے اسی کی قضاوقدر اور حکمت ومشیت سے ہوتی ہے۔ جسے چاہے وہ موجود ہوجاتا ہے۔ اور جسے نہ چاہے وہ موجود نہیں ہوتا۔ اس کی مرضی سے آنکھ کی ایک نگاہ بھی باہر نہیں اور دل کا کوئی خیال بھی باہر نہیں۔ بلکہ وہی نو پیدا کرنے والا اور دوبارہ پیدا کرنے والا ہے۔ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے، وہی کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو روکنے والا نہیں نہ ہی اُس کے فیصلہ پر کوئی نکتہ چین ہے۔ انسان کو کسی برائی سے رکنے میں اس کی توفیق اور رحمت کے بغیر چارہ نہیں اور فرمانبرداری میں اس کے ارادہ اور مشیت کے سوا مجال نہیں اگر تمام انسان، جن، فرشتے اور شیطان بھی جمع ہوکر سلسلہ کائنات میں ایک، ذرہ کو بھی حرکت دیں یا اس کے ارادہ کے بغیر اسے ساکن کرنا چاہیں، تو اس سے عاجز ہوجائیں گے۔ خدا کا ارادہ اسکی اپنی ذات میں باقی صفات کیطرح قائم ہے۔ وہ بدستور اس سے موصوف رہا ہے۔ زمانہ ازل میں اس نے ارادہ کیا، کہ سلسلہ مخلوقات اپنے اپنے وقت پر پیدا ہو، جو اس نے تجویز کیا تھا۔ چنانچہ جس طرح اس نے زمانہ ازل میں کسی تقدم وتاخر کے بغیر چاہا تھا۔ اسی طرح کائنات معرضِ ظہور میں آگئی۔ بلکہ اس کے علم کے اور اس کے ارادہ کے مطابق بغیر کسی تغیر وتبدل کے موجود ہوگئی نہ اسے کسی تجویز کے سوچنے کی ضرورت پڑی، نہ اسے کسی وصیت کا انتظار تھا یہی وجہ ہے کہ اسے ایک معروفیت دوسری معروفیتوں سے غافل نہیں کرتی۔

خدا تعالیٰ کی قوتِ شنوائی اور بینائی

وہ خدا سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ اس کی شنوائی سے کوئی بات باہر

نہیں۔ اگرچہ وہ کتنی ہی مخفی ہو اور اسکی بینائی سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اگرچہ کتنی ہی باریک ہو۔ اس کی قوتِ سماعت کو کوئی دوری مانع نہیں۔ اور اس کی قوتِ بینائی کو کوئی تاریکی نہیں روکتی۔ وہ بغیر آنکھ اور پلک کے دیکھتا ہے۔ اور سوراخِ گوش اور کان کے بغیر سنتا ہے۔ اسی طرح دل کے بغیر جانتا ہے۔ اور ہاتھ کے بغیر حملہ کرتا ہے۔ اور اوزار کے بغیر پیدا کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کے صفات مخلوق کی صفات جیسے نہیں اور نہ ہی اسکی ذات مخلوق کی ذات کی مثل ہے۔

خدا تعالیٰ کا کلام

وہ کلام کرتا ہے، حکم کرتا ہے، روکتا ہے۔ خوشخبری دیتا ہے۔ عذاب کی خبر دیتا ہے۔ مگر اس کا کلام ازلی ابدی قدیم ہے۔ جو اسکی ذات میں قائم ہے۔ اور مخلوق کے کلام کی طرح نہیں کہ ہوا کی مداخلت اور حرکت سے پیدا ہو یا دو چیزوں کے ٹکرانے سے پیدا ہو۔ حروف سے مرکّب نہیں کہ ہونٹ کی بندش سے ختم ہو جائے۔ اور زبان کے چلنے سے جاری ہو۔ قرآن، توراۃ، انجیل اور زبور اسی کی کتابیں ہیں۔ جو اسکے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ چنانچہ قرآن اگرچہ زبان سے پڑھا جاتا ہے۔ یا اوراق میں لکھا جاتا ہے۔ اور دلوں میں محفوظ ہے۔ تاہم وہ قدیم ہے۔ خدا کی ذات میں قائم ہے۔ اوراق میں یا دلوں میں منتقل ہونے کے باوجود بھی وہ خدا کی ذات سے الگ اور منتقل نہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جو کلام الٰہی سُنا تھا۔ اسمیں آواز نہ تھی۔ اور نہ حروف تھے۔ اسی طرح نیک انسان عالم آخرت میں خدا کا دیدار پائیں گے۔ مگر وہ نہ ٹھوس ہوگا نہ عارضی چیز۔ جب خدا ایسا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ اپنے ان صفات میں حیّ، عالم، قادر، مرید، سمیع، بصیر اور متکلم ہے۔

اور اس میں یہ سات صفات موجود ہیں۔ حیٰوۃ، علم، قدرت ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ اور اس کی ذات اپنی صفات سے خالی نہیں۔ (امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام یہاں پر ختم ہو جاتا ہے) اب مؤلف کہتا ہے۔ (خدا انکے گناہ معاف کرے) کہ امام صاحب نے جو خدا کے سات اوصاف بیان کئے ہیں وہ مذہب اشعری کے مطابق ہیں۔ ورنہ مذہب ماتریدیہ میں ایک آٹھواں اور بھی خدا کا وصف ہے۔ جسے تکوین کہتے ہیں۔ کیونکہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں صرف ارادہ ہی کافی نہیں، بلکہ تکوین کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود فرمادیا ہے کہ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں، تو اسے کُن کہتا ہوں تو پھر وہ موجود ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ اور چیز ہے اور تکوین جو لفظ کُن سے اشارۃً سمجھی جاتی ہے، اور چیز ہے۔ اس کے علاوہ صرف ارادہ کرنے والا فاعل نہیں کہلاتا۔ سوائے اس کے کہ اس کو ہست سے نیست کر دے۔ پس لفظ کُن سے خدائے تعالیٰ کا امر ہے۔ اسکو جس کا وہ ارادہ کرتا ہے، کہ نیست سے ہست کر دے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کا مقام علم کلام کی کتابیں ہیں۔ مثلاً شرح عقائد، شرح مواقف وغیرہ۔ اب ہم دوبارہ امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام درج کرتے ہیں۔

افعالِ خداوندی

جو بھی اللہ کے بغیر ہے۔ وہ اسی کے فعل سے پیدا ہوا ہے۔ اور بہترین عدل کے طریق پر اور مکمل و اکمل طرز پر صورت نما ہوا ہے۔ خدا اپنے افعال میں حکمت استعمال کرتا ہے۔ اپنے فیصلہ میں عدل کرتا ہے۔ مگر اس کا عدل انسانی عدل کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ انسان سے تو ظلم کا بھی امکان ہے۔

جبکہ وہ غیر کے ملکیت پر متصرف ہو اور خدا سے ظلم کا امکان بھی نہیں۔ کیونکہ جب کہ یہاں غیر کی ملکیت ہی نہیں، تو یہ کیسے کہا جائے گا کہ وہ غیر کی ملکیت پر تصرف کرتا ہے۔ تاکہ اس کا عمل ظلم قرار پائے۔ کیونکہ اس نے یہ تمام چیزیں خود پیدا کی ہیں۔ اِنسان، جن، شیطان، فرشتے، آسمان، زمین، حیوان، نباتات، جوہر، عرض، مدرک بالحس اور مدرک بالعقل وغیرہ، چنانچہ اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور ان کو وجود عطا کیا ہے۔ بعد اس کے کہ وہ نیست تھیں۔ اور وہ خدا خود زمانہ ازل میں موجود تھا۔ اور اس کے ساتھ کوئی غیر موجود نہ تھا۔ پھر اس نے اپنی اظہارِ قدرت کے لئے کائنات کو پیدا کیا۔ اور اس سے اپنے ارادہ کا ثبوت دیا۔ جو اس نے پہلے کیا ہوا تھا۔ اور اِس قول کو پورا کرنے کیلئے جو ازل میں کہہ چکا تھا۔ ورنہ اسکو کائنات کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ یہ اسکی مہربانی ہے کہ اسے پیدا کیا۔ نیست سے ہست کیا اور صاحبِ اختیار بنایا۔ ورنہ یہ سب کچھ اس پر واجب نہ تھا۔ اور وہ ہم پر فضل کرنے والا ہے۔ کہ اس نے ہم پر احسان کیا۔ اور ہماری اصلاح کی۔ حالانکہ یہ بھی اس کا فرض نہ تھا۔ پس یہ سب کچھ اس کا فضل ہے۔ احسان اور نعمت اور انعام ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت قادر ہے کہ اپنے بندوں پر قسم قسم کے عذاب ڈالے اور رنگ برنگ کے مصائب میں گرفتار کرے۔ اگر یہی کرے تو پھر بھی اس کا عدل ہی ہوگا۔ اور اس کے لئے کوئی معیوب کام نہ تھا۔ اور نہ ہوگا۔ خدا اپنے حسبِ وعدہ اور فضل و کرم سے بندوں کو اپنی اطاعت قبول کرنے پر ثواب دیتا ہے۔ ورنہ بندوں کا کوئی اس کے ذمے نہیں۔ اور نہ ہی ان کا کوئی فرض اس پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر کوئی فعل بھی واجب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس سے ظلم متصور ہو سکتا ہے۔

اور کسی کا حق اس کے ذمّہ پر واجب نہیں ۔ مگر مخلوق پر اس کا حقِ اطاعت واجب ہے ۔ جو اس نے اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ سے بیان کیا ہے ۔ اور وہ حقِ اطاعت صرف عقل سے دریافت نہیں ہوتا تھا ۔ اسلئے اس نے اپنے رسول بھیجے اور کھلم کھلا معجزات سے ان کی صداقت کا اظہار فرمایا ۔ تو پھر انہوں نے خدا کا امر ، نہی ، وعدہ اور وعید کی خبر دی ۔ اس لئے مخلوق پر واجب ہو گیا کہ جو کچھ بھی وہ کہتے ہیں ، اس کی تصدیق کریں ۔

۴۔ منصبِ رسالت

خدا ہی نے اپنا نبی اُمّی قریشی حضرت محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام کائنات کی طرف رسول بناکر مبعوث کیا ہے۔ خواہ عرب ہوں یا عجم یا جن ہوں یا انسان۔ سوائے چند اصولی احکام کے، تمام شرائع سابقہ کے احکام کو منسوخ کردیا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپؐ کو فضیلت بخشی۔ آپؐ کو سیّد البشر بنایا۔ اور جب تک محمّد رسول اللہ کا اقرار نہ ہو، اقرار توحید یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے روک دیا۔ اور مخلوق پر آپؐ کی تصدیق فرض کردی۔ ان احکام کے متعلق جو آپؐ نے دنیا و آخرت کی بابت بیان کئے ہیں۔ اور یہ بھی فرض کیا۔ کہ کسی کا ایمان معتبر نہیں۔ جب تک وہ باتیں نہ مانے۔ جنکی خبر آپؐ نے انسان کی موت کے بعد دی ہیں۔

جن میں سے اوّل منکر نکیر کا سوال ہے۔ یہ دو فرشتے باہیبت خوفناک ہیں۔ جو مُردہ کو قبر میں سیدھا بٹھا دیتے ہیں۔ جسمیں روح اور جسم دونوں ہوتے ہیں۔ پھر توحید اور رسالت نبویؐ کا سوال کرتے ہیں۔ کہ تیرا رب کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ اور تیرا نبی کون ہے؟ اور یہ دو فرشتے قبر کا امتحان ہیں۔ کیونکہ موت کے بعد قبر میں پہلا امتحان ان کے سوالات ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ مومن عذابِ قبر کو تسلیم کرے۔ کہ وہ حق ہے اور حکمت اور عدل ہے۔ جسم اور روح پر جسطرح کہ خدا چاہے۔

یہ بھی مانے کہ میزان عمل کے دو پلڑے ہیں۔ اور ایک قبضہ کی رسّی ہے۔ اس کی بڑائی کا بیان یوں ہے۔ کہ وہ زمین و آسمان کی وسعت کے برابر بڑی

ہے۔ اس میں قدرتِ الٰہیہ سے اعمال تولے جائیں گے۔ اور اس کے بٹّے چیونٹی اور رائی کے دانے کے برابر بھی ہونگے۔ تاکہ پورا پورا انصاف ہو۔ پھر اس کے نورانی پلّہ میں نیک اعمال کے صحیفے ڈالے جائیں گے۔ جن سے وہ ترازو بوجھل معلوم ہوگا۔ ان کے نیک اعمال کے درجے کے مطابق خدا کے فضل و کرم سے۔ پھر دوسرے تاریک پلڑے میں بداعمالیوں کے صحیفے ڈالے جائیں گے تو وہ خدا کے عدل و انصاف سے ہلکا ہو جائے گا۔

مومن یہ بھی مانے، کہ پل صراط حق ہے اور جہنّم کی پشت پر یہ ایک لمبا پُل بچھایا جائے گا۔ جو تلوار سے تیز ہوگا۔ اور بال سے باریک، اس سے کفار کے قدم پھسل جائیں گے۔ اور خدا کے حکم سے جہنم رسید ہوں گے۔ مومنین کے قدم اس پر ٹک جائیں گے، تو جنّت کو لے جائے جائیں گے۔

یہ بھی مانے، کہ حوضِ کوثر حق ہے۔ جس پر لوگ آئیں گے۔ اور حضور علیہ السّلام کے حوضِ محمّدی سے دخولِ جنّت سے پہلے مومنین پانی پئیں گے اور پل صراط سے گزر کر بھی اس کا پانی پئیں گے۔ اور جو شخص اسکا ایک گھونٹ بھی پی لے گا۔ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس کی وسعت آسمان کے برابر ہے۔ اس میں دو نالیاں حوضِ کوثر سے نکل کر کھلتی ہیں۔

مومن یہ بھی مانے۔ کہ حساب کا دن حق ہے۔ جسمیں مخلوقات مختلف طریق پر مبتلا ہوگی۔ کسی سے خوب بازپرس ہوگی۔ اور کسی سے چشم پوشی کی جائے گی۔ اور کئی ایک بغیر حساب کے بھی داخلِ جنّت ہوں گے۔ اور یہ لوگ خدا کے مقرّب ہوں گے۔ خدا کا منشا ہوگا۔ تو انبیا علیہم السّلام سے بھی سوال ہوں گے کہ تبلیغ کیسے کی؟ جی چاہے گا۔ تو کفار اور مکذّبین سے بھی سوال ہوں گے کہ تم نے رسول کی تکذیب کیوں کی؟ بدعتی اور مخالفِ سنّت

سے سوال ہوگا۔ کہ تم نے سنت طریق کو کیوں چھوڑا اور اہل اسلام سے اعمال کے متعلق سوال ہوگا۔

اور مومن یہ بھی مانے، کہ اہلِ توحید جہنم سے بدلہ پاکر آخر نجات پائیں گے۔ یہاں تک کہ خدا کے فضل وکرم سے وہاں کوئی اہلِ توحید نہ رہے گا۔

یہ بھی مانے، کہ انبیاء علیہم السلام شفاعت کریں گے۔ ان کے بعد اہل علم پھر شہادت یافتہ اور سب کے اخیر باقی اہل اسلام اپنی اپنی قدر ومنزلت کے مطابق شفاعت کریں گے اور جو مومن جہنم میں بغیر شفاعت کے پڑا رہے گا۔ اور اس کا کوئی شفیع نہ ہوگا۔ تو خدا کے اپنے فضل سے جہنم سے نکالا جائے گا۔ اور دوزخ میں کوئی اہل ایمان باقی نہ رہے گا۔ بلکہ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔ وہ بھی جہنم سے نکال دیا جائے گا۔

یہ بھی مانے، کہ صحابہؓ کی فضیلت برحق ہے۔ اور ان میں ترتیب وار فضیلت یوں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے بعد افضل الناس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت فاروقؓ پھر حضرت عثمان غنیؓ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مومن صحابہؓ کے متعلق حسنِ ظن رکھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ السلام نے ان کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ یہ بھی ان کی تعریف کرے۔

ان تمام عقائد کے متعلق شاہد احادیثِ نبوی وارد ہیں۔ اور اقوال صحابہؓ مشابہ ہیں۔ جو شخص ان تمام عقائد کو تسلیم کرے۔ وہ اہل حق اور اہل سنت ہوگا۔ اور اہل بدعت اور گمراہ فرقوں سے الگ سمجھا جائے گا۔ ہم سب کا فرض ہے کہ خدا تعالیٰ سے کمال یقین اور اسلامی استقلال کی درخواست کریں۔

اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے کیونکہ وہی ارحم الراحمین ہے۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمدؐ و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ یہاں تک جو ہمیں امام صاحب کی کتاب قواعد العقائد سے نقل کرنا تھا۔ نقل کر دیا ہے۔

۵۔ اُمتِ محمدیہ کا ۷۳ فرقے بننا

اب مؤلف رسالہ ہذا (عفی عنہ) اپنا مضمون شروع کرتا ہے کہ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وبہ نستعین یا اللہ ہمیں جو حق بات ہے
وہ سچ دکھا دے اور باطل کو واقعی طور پہ باطل دکھا اور ہمیں اس سے کنارہ
کشی نصیب کر۔ اس کے بعد واضح ہو کہ آج اس اُمتِ محمدیہ میں عقائد کا اختلاف
بہت ہے۔ اور ان کی رائیں مختلف ہیں۔ اور انمیں باہمی نفرت پیدا ہو چکی
ہے۔ اور بغض پیدا ہو گیا ہے۔ ہر ایک فرقہ کا یہی دعویٰ ہے کہ میں حق پر ہوں
اور دوسرے باطل پر ہیں۔ کیوں ایسا نہ ہو جب کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں پہلے ہی
خبر دی ہوئی ہے اور فرمایا ہے کہ میری اُمت ۷۳ فرقہ پر تقسیم ہو جائے گی ـ ـ ـ ـ ـ ـ اور یہ
حدیث پورے سوال وجواب کے ساتھ میں نے اپنی کتاب فارسی **الاصول
الاربعة فی تردید الوهابیة** کے اخیر نقل کر دی ہوئی ہے۔ مگر تاہم تکمیل
فائدہ کیلئے اسے یہاں بھی نقل کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت پر
وہ انقلاب آئے گا۔ جو بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ ہوبہو۔ یہاں تک کہ اگر ان
میں سے کسی نے اپنی ماں سے بدفعلی کی ہو گی، تو میری اُمت میں بھی ایسے لوگ
ہوں گے، جو ایسا کر گذریں گے۔ اُمت بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں پر منقسم ہو
گئی تھی۔ اور میری اُمت ۷۳ ملت پر تقسیم ہو گی۔ اور وہ سارے کے سارے جہنم
میں جائیں گے۔ مگر ایک فرقہ بچ رہے گا۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا رسول صلعم
وہ کونسا فرقہ ہو گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ وہ ہے جو ان اصولوں پر قائم ہو گا،

کہ جس پر میں اور میرے صحابہؓ قائم ہیں۔ (رواہ الترمذی) امام احمد اور ابوداؤد حضرت معاویہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ اور ایک فرقہ جنت میں داخل ہوگا اور اس فرقہ کا نام، جماعت ہے۔ میری امت میں ایسی قومیں بھی پیدا ہوں گی کہ جن کو بدعتیں پیدا خیالات اس طرح اڑائیں گے جسطرح کہ دیوانہ کتے کی زہر دوڑاتی ہے۔ باولے کتے کے کاٹے ہوئے کا کوئی رگ و ریشہ نہیں ہوتا کہ جسمیں اسکی زہر کا دخل نہ ہو۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو دوزخی ۷۲ فرقے حدیث میں مذکور ہیں وہ کوئی نیا اسلام پیش کریں گے یا اسی اسلام کے دعویدار رہیں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سب اسلام کے دعویدار ہوں گے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کو امت کے لفظ سے بار بار ذکر کیا ہے۔ مگر جو لوگ نیا مذہب پیش کریں گے یہ وہ ہوں گے جو خدا اور رسولؐ کو نہیں مانیں گے اس لئے وہ امتِ محمدیہ میں داخل نہیں۔ (پہلی قسم کا نام اہل اجابت ہے اور دوسری کا نام اہل دعوت) اس مقام پر ایک اور مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۷۲ فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کا یہی دعویٰ ہے۔ کہ ہم نجات پانے والی (فرقہ ناجیہ) جماعت ہیں۔ اور ہم ہی ما انا علیہ واصحابی کی صحیح مثال ہیں۔ کیا کوئی یہ عقدہ ایمانداری سے حل کرسکتا ہے؟ اس لئے اس کے جواب میں اہلِ سنت والجماعت بے چین ہوئے اور بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑائے تو انکو قرآن مجید کی یہ آیت نظر آئی۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ (سورۃ النساء۔ رکوع ۹۔ پارہ ۵) کہ بخدا وہ لوگ مومن شمار نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ اپنے باہمی تنازعات میں آپؐ کو جج نہ مانیں گے۔ اس لئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لاینحل سوال میں اپنا جج مان

لیا اور فیصلہ ہو گیا۔

کیونکہ حدیث مذکور میں حضور علیہ السّلام کا یہ لفظ مبارک موجود ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ جماعت ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جماعت کا لفظ فرقہ اہلِ سنت والجماعت کے نام کا اصلی جزو ہے۔ جیسا کہ امام احمد اور ابو داؤد کی روایت میں ہے۔ اور جماعت سے مراد ہمیشہ کثرتِ افراد ہوا کرتے ہیں اور کثرت افراد اہل سنت والجماعت ہی ہیں جو مذاہب اربعہ کے مشرق و مغرب میں مقلد ہیں۔ اور یہ کثرت گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر ایسی روشن ہے جس کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

(سوال دیگر) ایک گمراہ فرقہ کا قول ہے کہ حدیث میں جماعت کا لفظ آیا ہے اور اس سے مراد اہل حق ہیں۔ اگرچہ ان کے افراد کی قلت ہو۔ ہم جواباً کہتے ہیں کہ یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ میری اُمت کو یا بالفاظِ دیگر اُمتِ محمدیہ کو گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔ اور جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ ہوگا، وہ دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ (رواہ الترمذی) ابو بصرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ میں نے خدا سے یہ درخواست کی تھی کہ میری اُمت گمراہی پر متفق نہ ہو تو خدا نے مجھے یہ عطیہ بخش دیا (رواہ طبرانی) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مر جائے تو بے دینی کی موت مرے گا۔ (رواہ البخاری)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگرچہ حدیث میں لفظ جماعت یا لفظ

اجماع مذکور ہے۔ لیکن احادیث میں یہ تصریح موجود نہیں کہ اس سے مراد کثرت افراد ہیں تو ہم اس کے جواب میں یوں کہیں گے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم کثیر التعداد جماعت کی تابعداری کرو، ورنہ جو الگ ہوگا، داخلِ جہنم ہوگا۔ (رواہ ابن ماجہ) اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے لئے بھیڑیا ہے۔ جسطرح کہ بھیڑ بکری کے لئے بھیڑیا ہوتا ہے اور وہ اس بھیڑ بکری کو پکڑ لیتا ہے جو ریوڑ سے الگ چرتی ہے یا کنارہ کرتی ہے۔ تم ایسی کنارہ کشیوں سے پرہیز رکھو اور عام اہل اسلام اور جماعت کا دامن تھام رکھو (رواہ احمد) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہوگا، یوں سمجھو کہ اس نے اسلام کا جوّا اپنی گردن سے اتار دیا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد) یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے۔ بہر حال السواد الاعظم یا العامۃ لفظ کثرت افراد کی تصریح کر رہا ہے۔ اور اہل سُنت والجماعت کے افراد کی کثرت تمام گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر بالکل واضح اور صاف ہے۔ اور ہر ایک کو معلوم ہے اس لئے ثابت ہوا کہ اس مقام پر فرقہ ناجیہ سے مراد اہل سُنت والجماعت ہی ہے جو مشہور مذاہب اربعہ کے مقلد ہیں۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک)

۶۔ قرآن مجید میں حقیقت و مجاز کا بیان

ان معلومات کے بعد واضح ہے کہ عرب و عجم کی تمام زبانوں میں حقیقت و مجاز کا استعمال موجود ہے۔ خواہ وہ اچھی ہوں یا بُری۔ یہاں تک کہ خود کلام الٰہی میں بھی یہ دونوں موجود ہیں۔ چنانچہ ہم چند آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اوّل، اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا (پارہ ۲۴۔ سورہ زمر۔ رکوع ۵) یہ کہ خدا موت کے وقت روح کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔ پھر فرمایا قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ (پارہ ۲۱۔ سورۃ السجدہ۔ رکوع ۱) کہ ملک الموت تمہیں وفات دیتا ہے جو تم پر مسلّط کردیا گیا ہے)، پس توفّی کا تعلق خدا سے حقیقی ہے۔ اور فرشتے سے مجازی۔ دوم؛ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ۝ (پارہ ۲۵۔ سورۃ شوریٰ۔ رکوع ۵) خدا جسے چاہتا ہے لڑکیاں بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے بخشتا ہے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السّلام کا قول یوں منقول ہے۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا (پارہ ۱۶۔ سورہ مریم رکوع ۲) (کہ آپ نے حضرت مریم علیہا السّلام کو یوں کہا تھا کہ میں اس لئے تیرے پاس آیا ہوں کہ تمہیں مقدس لڑکا دوں)۔ خدا کا ہبہ حقیقی ہے، اور جبرائیل کا مجازی۔ سوم؛ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ (پارہ ۲۴۔ سورۃ الزمر۔ رکوع ۶) اے میرے بندو! جنہوں نے بے اعتدالی کی ہے۔ رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہو جاؤ اور شیطان سے یوں کہا کہ: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ (پارہ ۱۴۔ سورہ حجر۔ رکوع ۲) یعنی میرے بندوں پر تیرا تسلّط نہ ہوگا۔

پھر فرمایا کہ: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ (پارہ ۱۸۔ سورۃ نور ۔ رکوع ۴)

تم اپنے بندوں اور کنیزوں کے نکاح کر دیا کرو) پس پہلی دو آیتوں میں عبد کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور تیسری آیت میں لوگوں سے تعلق مجازی ہے۔ چہارم، يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (پارہ ۲۷۔ سورۃ الحدید۔ رکوع ۱) خدا ہی موت و حیات دیتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول یوں نقل کیا ہے کہ، وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران رکوع ۵) میں بفضلِ خدا مردے زندہ کرتا ہوں) تو زندگی دینے کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور حضرت عیسیٰؑ سے مجازی۔ پنجم، وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (پارہ ۲۔ سورۃ بقرہ ۔ رکوع ۲۶) خدا جسے چاہے راہِ راست دکھاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (پارہ ۲۵۔ سورۃ شوریٰ رکوع ۵) آپ راہ راست دکھاتے ہیں) مگر الٰہی ہدایت حقیقی ہے اور ہدایت نبوی مجازی ہے۔ ششم: يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (پارہ ۱۱۔ سورۃ یونس رکوع ۱) خدا کائنات کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ، فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (پارہ ۳۰۔ سورۃ والنازعات رکوع ۱) قسم ہے انکی جو تدبیر کرنے والے ہیں۔ پہلی آیت میں حقیقت ہے اور دوسری میں مجاز۔

ہفتم، قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (پارہ ۲۰۔ ۔ رکوع ۵) کہو! جو لوگ یا فرشتے، آسمان و زمین میں ہیں انمیں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا، لیکن اللہ غیب جانتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کا حال یوں بتایا کہ آپ کہتے تھے۔ کہ

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ

(پارہ ۳ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵) میں تم کو سب کچھ بتا دوں گا جو تم کھاتے ہو یا جمع رکھتے ہو اپنے گھروں میں)۔ پھر حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمایا کہ آپ دو قیدیوں سے یوں کہتے تھے کہ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ (پارہ ۱۲ - سورۃ یوسف - رکوع ۵) نہیں آئے گی، تمہاری خوراک جو تمہیں دی جاتی ہے۔ مگر میں اس کے آنے سے پہلے ہی تمہارے خوابوں کی تعبیر کر دوں گا۔) پہلی آیت میں حقیقت دوسری دو آیتوں میں مجاز ہے۔ ہشتم: حضرت ابراہیم کا قول یوں نقل کیا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ، وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (پارہ ۱۹ - سورۃ شعراء - رکوع ۵) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو خدا ہی مجھے شفا دیتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (پارہ ۳ - سورہ آل عمران - رکوع ۵) میں مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتا ہوں۔ اور خدا کے فضل سے مردے بھی زندہ کر لیتا ہوں۔ پس پہلی آیت میں حقیقت ہے۔ دوسری میں مجاز۔ نہم، فرمایا، وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ (پارہ ۲۳ - سورۃ یٰسین - رکوع ۵) خدا ہی پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا قول بیان کیا اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ (پارہ ۳ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵) میں مٹی سے پرندوں کی وضع و شکل بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے فضل سے پرندے بن جاتے ہیں) یہاں بھی پہلے حقیقت ہے پھر مجاز۔ دہم: فرمایا، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ (پارہ ۲۷ -

سورۃ ذاریات۔ رکوع ۳) وہی خدا ہر ایک کا رازق ہے۔ اور زبردست طاقت کا مالک ہے۔ پھر فرمایا کہ، وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ ۝ (پارہ ۴۔ سورۃ نساء رکوع ۱) جب میراث تقسیم کرنے کے وقت رشتہ دار یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے ان کو رزق دو) یہاں بھی پہلے حقیقت ہے اور پھر مجاز ہے بلاذہم فرمایا کہ، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (پارہ ۲۴۔ سورۃ مؤمن۔ رکوع ۲) خدا ہی سمیع و بصیر ہے۔ پھر فرمایا کہ، اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ (پارہ ۲۹ سورۃ دھر۔ رکوع ۱) ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، تاکہ اسکو دنیا کے ابتلاء میں ڈالیں اس لیئے اسے سمیع و بصیر بنا دیا) پہلا سمیع و بصیر حقیقت ہے دوسرا مجاز۔ الغرض اس قسم کی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ بہت ہیں پس جب حقیقت و مجاز کا استعمال قرآن مجید میں موجود ہے تو اگر اسے خدا کے بندے استعمال کر لیں اپنے محاورات میں تو کون سی قباحت ہو گی۔ بہر حال اس اصول پر کئی ایک مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ جو مذاہب اربعہ کے مقلدین اور وہابیوں کے درمیان زیر بحث اور استدلالی جنگ کا میدان بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے درمیان جو ان کے طریق پر چلتے ہیں۔

علمِ غیب

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب کا حاصل ہونا)

چنانچہ ان میں سے ایک علم غیب کا مسئلہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاصانِ اُمت محمدیہ کو حاصل تھا یا نہیں ؟

پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانے اور گھروں کے ذخیروں کی خبر غیب دیتے ہیں تو یہ امر کیوں جائز نہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمتِ محمدیہ کے خاص خاص مقرب بندے بھی غیب کی چند خبریں دیں، یا دنیا کے مستقبل کے حالات اور برزخ کے حالات بتائیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی کیوں معجزہ نہیں ہو سکتی۔ اور خواص اُمت کے لئے کرامت کیوں نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ سوال ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو خود خدا بتا دیتا تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تو خدا بتا دیتا تھا۔

اب واضح رہے کہ مسئلہ علم غیب ایک عظیم الشان زیر بحث مسئلہ ہے۔ جس پر علمائے وقت جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور فریقین افراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے درمیان سخت اختلاف رونما ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو کافر بھی کہہ چکے ہیں۔

کیونکہ ایک فریق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم غیب کلی

اور غیب جزئی اور غیب ماضی و مستقبل ثابت کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو ان سب چیزوں کا علم دیا تھا۔

ایک فریق نے سرے سے علم کلی ہی کی نفی کر دی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کو حاصل نہ تھا۔ کیوں کہ علم غیب کلی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور غیب جزئی تو کوئی بڑی بات نہیں۔ کیونکہ وہ جسطرح رسولؐ کو حاصل ہے۔ اسطرح دیوانوں اور چارپایوں کو بھی حاصل ہے۔ (خدا ایسے عقیدے سے بچائے) یہ ایسا عقیدہ ہے کہ جسمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا اظہار ہوتا ہے اور کشاں کشاں بُرے خاتمہ تک پہنچانے والا ہے۔

ایک فریق نے وہ تمام علوم غیبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ثابت کئے ہیں۔ جو رسالت اور نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا گزشتہ اُمتوں اور احوال برزخ یا قیامت کے خوفناک حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا جنّت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ علم غیب بھی جو عالم بالا اور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ نے آپ کو بتا دیئے ہیں۔ اور یہ عقیدہ افراط و تفریط کے درمیان ہے، اور تقویٰ کے قریب ہے۔

کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ جو لوگ تمام قسم کے علوم غیبیہ کلی جزئی ماضی حال اور مستقبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ ان علوم کے متعلق کیا جواب دیں گے جو شرع میں ممنوع قرار دیئے گئے ہیں۔ مثلاً نجوم، جفر، شعبدہ بازی، کہانت، موسیقی، سحر، رمل، یونانی فلسفہ بر الٰہیات کے متعلق ہے۔ (کیا یہ بھی آپ کو حاصل تھے؟) اور وہ اس کا بھی کیا جواب دیں گے۔ کہ خود خدائے تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ فرمایا

ہے کہ، وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط (پارہ ۲۳- سورۃ یٰس- رکوع ۵) ہم نے اپنے رسول کو شعر کا علم نہیں سکھلایا اور نہ ہی یہ علم آپ کے شان کے شایان ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ، وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط (پارہ ۲۹ - سورۃ الحاقہ - رکوع ۲) آپ جادوگر نہ تھے اور یہ قرآن کسی کاہن کا قول نہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ علوم از قسم غیب نہیں بلکہ از قسم ظاہر ہیں تو ہم جواب میں پوچھیں گے کہ اگر وہ غیب میں داخل نہیں تو کیا وہ ماکان و مایکون میں بھی داخل ہیں یا نہیں! تو اگر جواب دیا جائے کہ ہاں وہ انہیں داخل ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ وہ داخل ہوں مگر خدا تعالیٰ نے ذاتِ رسالت کو ان علوم کی آلائش سے صاف کر دیا ہوا ہے کیونکہ آپ رسول اُمّی تھے۔ کفار جادو کا الزام دیتے تھے۔ مگر خدا نے کہا کہ وہ جادوگر نہیں۔ پھر وہ کہانت کا الزام دیتے تھے کہ جن بھوت کے ذریعہ سے آپ خبریں دیتے ہیں۔ لیکن خدا نے کہا کہ، وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط (پارہ ۲۹۔ سورۃ الحاقہ۔ رکوع ۲) "یہ قرآن کسی کاہن کا قول بھی نہیں" پھر وہ کہتے تھے کہ کوئی اور آدمی آپ کو یہ قرآن سکھاتا ہے تو خدا نے جواب میں کہا کہ، لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ○ (پارہ ۱۴- سورۃ نحل- رکوع ۱۴) "جس آدمی کی طرف تعلیم قرآن کو وہ منسوب کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے عربی زبان جانتا ہی نہیں اور یہ قرآن فصیح عربی میں ہے۔"

اگر یوں کہا جائے کہ نہیں یعنی ماکان اور مایکون میں۔ یہ علوم ممنوعہ داخل نہیں تو ہم پوچھیں گے کہ پھر یہ علوم ممنوعہ کس قسم میں داخل ہوں گے۔

اور منکرین علم غیب ان احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عذابِ قبر، سوال ملائکہ، قبر کی تنگی کی خبر دی ہے یا جنہیں آپ نے قبل از وقوع فتوحاتِ اسلامیہ کی خبر دی ہے۔ یا خیبر

زمانہ کی خبریں دی ہیں۔ حالانکہ سب کچھ اسی طرح پیش آیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا اور اس کا کیا جواب ہوگا جو آپؐ نے قتل کفار کے مقامات قتل جنگ بدر میں بتائے تھے۔ چنانچہ وہیں وہ قتل ہوئے جہاں آپ نے کہا تھا۔ کیا چارپائے اور دیوانے بھی ایسی خبریں دے سکتے ہیں؟ میں نے خود اس آدمی سے سنا ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کر دیا تھا کہتا تھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان کی فتح جانتے ہوتے اور بدر میں قتل کفار کی خاص خاص جگہیں جانتے ہوتے تو مسلمانوں کی فتح کے لیے اور قتل کفار کے واسطے سجدہ میں پڑ کر دعا نہ کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس محروم العقل کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کی دعا کرنا مسلمانوں کے حق میں خدا کے سامنے تواضع اور اظہار خاکساری تھی۔ کیا آپؐ کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپؐ صراط مستقیم پر قائم ہیں۔ حالانکہ خدا نے بتا دیا ہوا تھا کہ، إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (پارہ ۲۵۔ سورۃ زخرف رکوع ۴) آپؐ صراط مستقیم پر ہیں۔ تاہم آپؐ نماز میں یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے۔ کہ اھدنا الصراط المستقیم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

عَٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (پارہ ۲۹۔ سورۃ جن۔ رکوع ۲) تمہارا خدا عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اس رسول کو جسے وہ پسند کرے پھر یہ بھی فرمایا کہ، وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۝ (پارہ ۴۔ سورۃ آل عمران۔ رکوع ۱۸) خدا تعالیٰ تو تم کو علم غیب پر مطلع کرنے کے قریب بھی نہیں ہے لیکن اپنے رسولوں میں سے جس رسول کو چاہے انتخاب کر لیتا ہے۔ تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برگزیدہ اور منتخب شدہ رسول نہ

تھے ؟ اگر یوں کہا جائے کہ ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلی آیت کے استثناء میں داخل ہیں۔ کیونکہ آپؐ برگزیدہ اور پسندیدہ رسولؐ ہیں جس کا ثبوت اس آیت میں ہے کہ لیکن اپنے رسولوں میں سے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے۔ کیونکہ آپؐ ہی رسول مجتبےٰ ہیں۔ اگر اس کا انکار کیا جائے تو پھر ہم پوچھیں گے کہ پھر حضور علیہ السلام کے سوا ان دونوں آیات میں کس رسول مجتبےٰ و مرتضےٰ کا ذکر ہے ؟۔ اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ عالم الغیب کے فقرہ کا استعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر صحیح ہے۔ باعتبار بعض علم غیب کے (جو منصب رسالت سے وابستہ ہے) اور بعض علم غیب کے (جو منصب رسالت کے دائرہ سے خارج ہے) اعتبار سے صحیح نہیں۔

کیونکہ بعض مغیبات کا خبر دینا آپؐ سے بالکل صحیح اور روشن ہے۔ مثلاً آپؐ کا عالم برزخ کے متعلق قبر کی تنگی اور منکر نکیر کے سوالوں کی خبر دینا اور نیک بندے کی قبر کا ۔۔ گز تک وسیع ہونے اور بدکار پر تنگ ہونے کی خبر دینا یا احوال قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہونے، وزنِ اعمال پلصراط، حوضِ کوثر، شفاعت جنت اور اس کی نعمتیں اور دوزخ اور اس کی آگ کا خبر دینا۔

یا چند معاملات دُنیاویہ سے خبر دینا۔ مثلاً بدر میں مشرکین کی قتل گاہیں بتانا، یا حاطب بن بلتعہ کی چٹھی واپس لینا۔ جو اُس نے پوشیدہ طور پر مشرکین کو لکھی تھی۔ یا ابو جہل کو بتانا کہ اس کی مٹھی میں کنکریاں ہیں۔ یا شاہ فارس کے قتل کی خبر دینا خاص اُسی صبح کو جبکہ مارا گیا تھا۔ یا موتِ نجاشی شاہ حبشہ کی خبر دینا۔ پھر مدینہ طیبہ میں اس پر غائبانہ جنازہ پڑھنا۔ یا یہ خبر دینا کہ دیمک اس کاغذ معاہدہ کو کھا گئی ہے۔ جو قریش نے آپؐ کے خلاف لکھ کر بیت اللہ شریف

میں آویزاں کیا تھا۔ یا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینا اور اس کے دو رفیقوں کی خبر دینا جنگِ تبوک میں حضرت خالد سیف اللہ کے ہاتھ پہ فتوحات کا حاصل ہونا۔ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر قلعہ خیبر کا فتح ہونا یا بکری کے گوشت میں زہر ملانے کی خبر دینا جو یہودیوں نے آپ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا۔ یا آپ کا خبر دینا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اشد ہین خارجی کو قتل کریں گے۔ یا آخر زمانہ میں فتنوں کا پیدا ہونا۔

غرضیکہ اسی قسم کی غیبی خبریں کئی ایک اور بھی آپ نے دی ہیں جو اس شخص پر مخفی نہیں جو علوم اسلامیہ میں مہارت اور واقفیت رکھتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ تو خدا کے بتانے سے آپ نے بتائی ہیں۔ اس لئے یہ خبریں غیب نہیں بلکہ از قسم وحی ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ پھر بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہوا کہ آپ عالم الغیب تھے۔ اور جب یوں کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر کشف کے طور پر آپ نے یہ خبریں دی تھیں۔ تو اس صورت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب کہنا صحیح ہوگا۔ جو مقلد یوں کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام تمام قسم کے غیب کو جانتے تھے۔ یا یوں کہتے ہیں کہ آپ کو تمام ماکان و مایکون کا علم غیب تھا۔ تو ان کی مراد بھی وہی علوم غیبیہ ہیں۔ جو تبلیغ رسالت اور منکرین کو لاجواب کرتے یا گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے حالات معلوم کرنے کے متعلق ہیں۔ یا ان کی مطیع امت کی نجات اور منکرین کی ہلاکت کے متعلق ہیں۔ یا جو امت محمدیہ کے احوال سے تعلق رکھتے ہیں جو آخیر زمانے میں پیش آئیں گے۔ یا ان فتنوں کی بابت ہیں جو امت محمدیہ پر آنے والے ہیں یا ان تکالیف کے متعلق ہیں جو ان پر آئیں گی۔ یہاں تک کہ اہلِ جنت جنت میں چلے جائیں گے۔ اور اہلِ نار دوزخ میں پڑیں گے۔

مگر ہاں وہ علوم جو آپ کے شان کے شایان نہیں مثلاً علم شعر، جفر، رمل، سیمیا، کیمیا وغیرہ اور وہ علوم کہ جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے قطعاً نہیں۔ مثلاً پہاڑوں کے وزن معلوم کرنا۔ سمندروں کے پانی ماپنے کا علم یا بارش کے قطرات کی گنتی یا درختوں کے پتّوں کی گنتی۔ اور اسی قسم کے اور علوم کہ جن کے نام بھی ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہمیں ان کی تشریح معلوم ہے۔ تو یہ سب قسم کے علوم خاص خدائے خالق سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ جو ان کو پیدا اور فنا کرتا ہے ورنہ کسی انسان کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔

اگر کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعض غیبوں کے عالم ہیں تو پھر عالم الغیب کے فقرہ کا آپ پر استعمال کرنے کا کیا مطلب ہوگا۔ تو ہم جواب دیں گے کہ کسی شخص کو کسی صفت سے موصوف کرنے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ اس صفت کے تمام اقسام بھی اس میں موجود ہوں۔ بلکہ اتنا ضروری ہوتا ہے کہ اسکے بعض حصے اسمیں پائے جائیں۔ کیونکہ جب یوں کہتے ہو کہ زید عالم ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ زید تمام قسم کے علوم دنیاوی، حلال، حرام وغیرہ سب جانتا ہے۔ بلکہ بلا تکلف یہی ذہن میں آتا ہے کہ زید علوم مروجہ کا عالم ہے۔ جو روزمرہ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا قول ہے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰىؕ (پارہ ۳۰۔ سورۃ اقرء۔ رکوع ۱)

(انسان بیشک اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے)۔ اس سے مراد بھی بعض انسان ہیں ورنہ کئی ایک مالدار اللہ کے بندے ہو گزرے ہیں۔ بلکہ مالدار انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسّلام بھی تھے۔

۸۔ ایصالِ ثواب

(میّت کو ثواب پہنچانا)

اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایصالِ ثواب کا بھی ہے۔ کہ مُردوں کی روحوں کو اپنے اعمال کا ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ حرام ہے یا ممنوع ہے یا بے فائدہ ہے۔ جسمیں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ اسکے متعلق ان کے خیالات مختلف ہیں۔ بہر حال مانعین کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے اپنی ہی کمائی کام آئے گی۔ اس مسئلہ میں فریقین کے علماء کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ جنکے دلائل کا ذکر کرنا طوالت ہوگا۔ مگر اس رسالہ کے مصنّف عبدِ ضعیف نے جب شیخ ابن قیم جوزی حنبلی کا اس مسئلہ میں ایک مضمون دیکھا جسمیں انصاف بھرا ہوا تھا۔ تو مَیں نے وہی اختیار کرلیا۔ اور یہی پسند کیا کہ شیخ موصوف کے عقیدہ کیساتھ ان کا مقابلہ کروں۔ کیونکہ مسائل میں شیخ موصوف مخالفین کا ایک مسلّم بزرگ ہے۔ اُمید ہے کہ وہ بھی حق کیطرف رجوع کرلیں گے۔ چنانچہ مَیں شیخ صاحب موصوف رحمہ اللہ کا وہ اقتباس پیش کرتا ہوں جو آپ نے اپنی کتاب "کتاب الروح" میں درج کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ سولہواں مسئلہ یہ ہے کہ آیا مُردہ کی روح زندہ اعمال سے فائدہ اٹھا سکتی ہے یا نہیں؟ جواب یوں ہے کہ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ دو طریق سے جن پر اہل سنّت کے فقہاء، اہلحدیث اور مفسرین کا اتفاق ہے۔ پہلا طریق یہ ہے کہ مُردہ اپنی زندگی میں اس عمل کا باعث بنا ہو۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ زندہ مسلمان اس کے حق میں دُعاء اور استغفار کریں یا صدقہ خیرات کریں یا حج کریں۔ گو اسمیں یہ اختلاف ہے کہ مُردہ کو ثواب مال خرچ کرنے کا

ملے گا یا اصل عمل کا ثواب ہوگا۔ جمہور اہل علم کے نزدیک خود نیک عمل کا ثواب ملتا ہے۔ اور بعض حنفیہ کے نزدیک نیک عمل پر مال خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن اور ذکر الٰہی کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو امام احمد بن حنبل اور جمہور سلف کا یہ مذہب ہے کہ یہ بھی پہنچتا ہے اور یہی قول حضرت امام اعظمؒ کے بعض شاگردوں کا بھی ہے۔ اور اس فتوئے پر محمد بن یحییٰ الکحال کی روایت میں یوں تصریح موجود ہے کہ امام احمدؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کوئی نیک عمل کرتا ہے، مثلاً نماز، صدقہ، خیرات یا کوئی اور نیک عمل اور اس کا نصف حصہ اپنے باپ یا اپنی والدہ کے لئے مقرر کرتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے کہا کہ مجھے اُمید ہے کہ وہ صحیح ہے پھر فرمایا کہ میت کو ہر چیز (از قسم صدقہ وغیرہ) پہنچتی ہے یہ بھی کہا کہ آیۃ الکرسی تین دفعہ اور قل ہو اللہ احد ایک دفعہ پڑھو اور یوں دعا میں کہو کہ یا اللہ اس کا ثواب اہل مقابر کو پہنچے۔

اس امر کا ثبوت کہ جس نیک کام کا مُردہ خود باعث اپنی زندگی میں بن چکا ہے اُس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر تین قسم کے عمل جاری رہتے ہیں۔ اوّل صدقہ جاریہ، دوم مفید علم، سوم نیک اولاد جو اُس کے حق میں دعا گو رہے لہٰذا ان اعمال کا استثنا کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل بھی اسی میت کے ہیں کیونکہ وہی ان کا باعث بنا ہے۔ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کے نیک اعمال میں سے موت کے بعد اس کو یہ

عمل پہنچتے ہیں۔ اوّل جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا۔ دوم نیک اولاد جسے اپنا جانشین بنا گیا۔ سوم قرآن مجید جو ورثہ میں چھوڑ گیا۔ چہارم مسجد جو اس نے بنائی۔ پنجم سرائے جو مسافروں کے لیے تیار کی۔ ششم نہر جو اس نے کھدائی۔ ہفتم صدقہ جو اپنی زندگی میں بحالتِ صحت الگ کر چکا ہے۔ یہ موت کے بعد اُسے پہنچے گا۔ (مختصر طور پر یہ مضمون ختم ہوا)

اور یہ امر کہ جس چیز کا باعث وہ مُردہ نہیں بنا۔ اِس کا ثواب یا نفع بھی اسے پہنچتا ہے تو اس کا ثبوت قرآن، حدیث، اجماع اور اصول شرع سے ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ، وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔ (پارہ ۲۸۔ سورہ حشر۔ رکوع ۱) "جو مسلمان پہلے مسلمانوں کے بعد دنیا میں آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔" دیکھو خدا تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف کی ہے جو اپنے پہلوں کے لئے مغفرت مانگتے ہیں اور اجماع اُمّت محمدیہ سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں میت کیلئے دعا کرنے سے اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو خلوصِ دل سے اس کے لئے دعا کرو۔ اور صحیح مُسلم میں عوف بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک جنازہ پڑھا۔ اس میں آپ نے میت کے لئے جو دُعا فرمائی تھی میں نے وہ یاد کر لی۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ یا اللہ اسے بخشدے اور اس پر رحم کر اور اسے سلامتی دے۔ اسکے قصور معاف کر۔ اپنے پاس عزت و آبرو کے ساتھ اسے فرودگاہ کر اور اپنی بارگاہ میں اس کا داخلہ وسیع کر۔

صدقے کا ثواب پہنچانا

صدقہ کا ثواب پہنچنا اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور کہا کہ میری ماں مر گئی ہے اور وصیت نہیں کر سکی۔ مجھے خیال ہے کہ اگر بول سکتی تو ضرور صدقہ کرتی۔ تو کیا میں اگر صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملیگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور ملے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی ماں مر گئی اور وہ غیر حاضر تھا۔ پھر وہ حضور علیہ السّلام کے پاس آیا اور کہنے لگا، یا رسولؐ اللہ میری ماں میری غیر حاضری میں مر گئی ہے تو اگر میں اسکی طرف سے وکیل بن کر صدقہ کروں تو کیا اسے کچھ فائدہ ہوگا۔ تو آپؐ نے فرمایا ہاں فائدہ ہوگا۔ پھر سعد نے کہا کہ آپؐ گواہ رہیں کہ میرا بار ور باغ اسکی طرف سے صدقہ ہے۔ اور یہی حدیث سُنن میں ہے اور مسند احمد میں بھی سعد بن عبادہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میری ماں ام سعد مر گئی ہے۔ تو آپؐ فرمائیے کہ کس قسم کی خیرات اسکی طرف سے افضل ہوگی۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ پانی کی خیرات افضل ہے۔ پھر اس نے ایک کنواں بنوایا اور کہا کہ یہ کنواں میری ماں ام سعد کا ہے۔

روزے کا ثواب پہنچانا

رہا روزہ کا ثواب پہنچنا تو اس کے متعلق بھی صحیحین میں روایت ہے حضرت عائشہ رضؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مر جائے اور اس کے ذمہ پر روزے باقی ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھے

اور یہ بھی صحیحین میں ہی روایت ہے کہ ایک آدمی حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری ماں مر گئی ہے۔ اور اسکے ذمہ ایک ماہ کے روزے باقی ہیں تو کیا میں اسکی طرف سے قضا کروں تو آپؐ نے فرمایا ہاں قضا کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری ماں مر گئی ہے اور اس کے ذمہ پر نذر کے روزے باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے میں روزے رکھ لوں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم یہ خیال کرو کہ اگر اس کے ذمہ پر قرضہ ہوتا تو تو اُسے ضرور ادا کرتی، تو کیا وہ اس کی طرف سے ادا ہو جاتا یا نہ ہوتا۔ کہنے لگی ہاں وہ تو ادا ہو جاتا۔ تو پھر آپؐ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے روزے بھی رکھ (یہ لفظ بطور تعلیق کے صرف بخاری میں ہیں)

حج کا ثواب پہنچانا

رہا ثواب حج کا پہنچنا۔ تو اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیحین میں موجود ہے کہ قبیلہ جُہینہ کی ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری ماں نے نذر مانی تھی کہ حج کروں گی۔ مگر وہ حج نہیں کر سکی اور مر گئی۔ تو کیا میں اسکی طرف سے حج کروں! آپؐ نے فرمایا، اسکی طرف سے حج کر۔ پھر فرمایا کہ تم خود سمجھو کہ اگر تیری ماں پر قرضہ ہوتا تو تو اسکی طرف سے ضرور ادا کرتی۔ اس لئے خدا کا قرضہ بھی ادا کرو۔ کیونکہ اس کا قرضہ ادا کرنا تو سب سے زیادہ ضروری ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا تھا اپنے بیٹے کے متعلق کہ وہ مر گیا ہے۔ اور حج نہیں کر سکا۔ تو آپؐ نے فرمایا تو پھر تم اسکی طرف سے حج کرو۔ (انتہیٰ مختصراً)

اس کے بعد شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ میت کا قرضہ بعد میں ادا کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ادا کرنے والا کوئی بیگانہ ہو یا اس کے مال متروکہ سے بھی ادا نہ کیا جائے اور حدیث قتادہ رح کی اس کا ثبوت دیتی ہے کہ اس نے ایک میت کی طرف سے دو دینار کی ضمانت دی تھی اور جب ادا کر دیئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تو نے اس کے جسم کو ٹھنڈا کیا ہے۔

قرآن مجید کا ثواب پہنچانا

اب رہی تلاوت قرآن، تو اس کے متعلق بھی شیخ موصوف نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے آغاز میں مسئلہ اول کہہ کر بیان کیا ہے۔ کہ سلف صالحین کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ انہوں نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت ان کے پاس قرآن مجید پڑھا جائے۔ شیخ عبدالحق کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میری قبر کے پاس سورۂ بقر پڑھی جائے اور مجوزین میں سے ایک حضرت علی بن عبدالرحمان بھی ہیں اور حضرت احمد بن حنبل رحؒ جب تک کہ آپ کو کسی صحابی کا عمل معلوم نہ تھا۔ اس کے منکر تھے۔ پھر آپ نے رجوع کر لیا اور جناب خلال اپنی جامع میں یہ عنوان دیکر کہ قبر کے پاس تلاوت قرآن جائز ہے لکھتے ہیں۔ کہ عباس بن محمد دوری نے ہمیں بتایا تھا کہ یحییٰ بن معین نے ہمیں بتایا تھا کہ معز جلی نے کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن علاء بن حلاج اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ میرے باپ نے کہا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے لحد میں رکھتے ہوئے یوں کہو بسم اللہ

علی سنت رسول اللہ۔ پھر مجھ پر مٹی ڈالتے جانا اور میرے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سُنا ہوا ہے کہ آپ یوں کہا کرتے تھے۔

اس کے بعد کہ شیخ موصوف عقلی اور نقلی دلائل دے چکے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ تصریحات اس امر پر متفق ہیں کہ جب زندہ میت کی طرف سے کوئی عمل کرتا ہے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور عقل کا مقتضیٰ ابھی یہی ہے کہ گو ثواب عمل کرنے والے کا حق ہے۔ مگر جب وہ اپنے مسلم بھائی کو بخش دیتا ہے تو کوئی ممانعت نہیں ہوتی جسطرح کہ اس امر کی ممانعت نہیں کہ اسکی زندگی میں اپنا کچھ مال بخش دے یا اسکی موت کے بعد اسکو مال کی ادائیگی سے بری الذمہ کردے۔ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خبردار کر دیا ہے۔ کہ روزے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے حالانکہ وہ روزہ صرف ترکِ اکل و شرب اور نیت کا نام ہے۔ اور نیت کا تعلق صرف دِل سے ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہیں ہوتا۔ اور یہ روزہ کوئی محسوس قسم کا عمل نہیں اور آنحضرت علیہ السلام نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ قرأت قرآن کا ثواب بھی بطریق اولیٰ پہنچتا ہے جو زبان کا عمل ہے اور اسے کان سنتے ہیں۔ اور آنکھ دیکھتی ہے۔ اسکی وضاحت یہ ہے کہ روزہ صرف نیت ہے۔ اور روزہ شکن امور سے اپنے نفس کو روکنے کا نام ہے۔ اور خدا اس کا ثواب میت کو پہنچا دیتا ہے۔ تو بھلا قرأۃ قرآن کا ثواب کیوں نہ پہنچے گا۔ جو عمل اور نیت سے مرکب ہے بلکہ اس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس میت کو روزہ کے ثواب کے پہنچنے میں اس امر کا اشارہ ہے کہ باقی اعمال کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔

اب عبادات دو قسم کی ہیں۔ مالی اور بدنی اور تیسری ان سے مرکب

کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضور علیہ السّلام نے ثواب صدقہ کے پہنچنے میں باقی عبادات مالیہ کے پہنچنے پر اشارہ کر دیا ہے۔ اور روزہ کے ثواب پہنچنے میں آپؐ نے اشارہ کیا ہے کہ تمام عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور آپؐ نے حج کے ثواب پہنچنے کی بھی خبر دی ہے۔ جو عبادات مالی اور بدنی سے مرکب ہے۔ پس تینوں قسم کا ایصالِ ثواب نص اور قیاس شرعی سے ثابت ہو گیا وباللہ التوفیق۔

پھر شیخ موصوف لکھتے ہیں کہ مخالفین کی دلیل یہ ہے کہ،
وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (پارہ ۲۷ - سورۃ النجم ۔ رکوع ۳)
خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے وہی ہے جو اس نے کمایا" اور یہ بھی فرمایا کہ، لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (پارہ ۲۳ - سورۃ یٰسین ۔ رکوع ۴) " تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے " پھر فرمایا کہ، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (پارہ ۳ - سورۃ البقرہ - رکوع ۷) " انسانی نفس کیلئے وہ نیک عمل کام آئیگا جو اس نے کمایا ہو گا۔ اور اس پر اس بد عملی کا بوجھ پڑیگا جو نفس پروری کیلئے اس نے کمائی ہو گی " اور حضور علیہ السّلام نے فرمایا کہ انسان مرتا ہے تو اس کے عمل بند ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین صورت کے کہ صدقہ جاریہ ہو جو اس کے نام پر چلتا رہے۔ یا اولاد نیک ہو جو اُسے نیک دعا دے۔ یا مفید تعلیم ہو جس سے اس کے بعد لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ بہر حال حضور علیہ السّلام نے وہ اعمال نافعہ بتائے ہیں کہ جن میں بحالتِ حیات خود انسان کی اپنی کوشش کا کچھ دخل ہو اور جنہیں اس کا کچھ دخل نہیں وہ عمل ضرور بند کئے جائیں گے۔

اس کے بعد شیخ موصوف نے ان کے عقائد کے دلائل بیان کئے ہیں اور مجوزین ایصالِ ثواب پر ان کے اعتراضات لکھے ہیں۔ پھر جو ایصالِ ثواب

کے قائل ہیں انہوں نے مخالفین کو یوں خطاب کیا ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اس میں ایک دلیل بھی ایسی نہیں جو ہماری تحقیق کے مخالف ہو۔ جو ہم نے کتاب وسند اور اجماع سلف صالحین اور نتائج قیاس شرعیہ سے پیش کی ہے۔ کیونکہ یہ آیت کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ مفسرین کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ اس انسان سے کیا مراد ہے۔

ایک جماعت کا قول ہے کہ اس سے مراد کافر انسان ہے اور مومن انسان کیلئے اسکی اپنی کمائی بھی مفید ہے۔ اور وہ کمائی بھی مفید ہے جو غیر کی طرف سے اس کے لئے کی جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ آیت پہلی شریعتوں کی خبر دیتی ہے۔ ورنہ ہماری شریعت میں تو اپنی اور غیر کی کمائی دونوں ثابت ہیں۔

ایک گروہ کا قول ہے کہ (لام بمعنی علی ہے) اور اس کا یہ معنی ہے کہ اِنسان کا نقصان اسی کی کمائی سے ہوگا۔ غیر کی بدعملی سے اسے نقصان نہیں پہنچے گا۔

ایک فریق کا خیال ہے کہ اس مقام پر (او سُعِیَ لَہٗ) مقدر ہے۔ تو اصل آیت یوں ہوگی کہ، لیس لِلانسان اِلا ما سعیٰ او سُعِیَ لَہٗ۔

ایک فریق کہتا ہے کہ یہ آیت ہی منسوخ ہے۔ اس آیت سے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد ایمان لانے میں ان کی تابع ہے تو ہم ان کی اولاد کو اُن میں ہی شامل کر دیں گے۔ اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس سے مراد زندہ انسان ہے مُردہ

انسان مراد نہیں۔

شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ تمام تاویلیں آیت کے عام لفظ کو بری طرح بگاڑتی ہیں۔ اسلئے ہم ان کو پسند نہیں کرتے۔ پھر ایک اور جماعت کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جواب ابوالوفا ابن عقیل کی طرف سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا ہے کہ بہتر جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنی کوشش سے اور اپنی قوم کے نیک سلوک سے دوست پیدا کر لیتا ہے۔ بچے پیدا کرتا ہے، بیوی سے نکاح کرتا ہے۔ غیر سے بھلائی کرتا ہے۔ اور لوگوں سے دوستانہ گانٹھتا ہے۔ تو لوگ اس پر رحم کرتے ہیں اور عبادات کا تحفہ دیتے ہیں۔ تو یہ سب اسی کی کوشش کا نتیجہ ہوگا۔ کیونکہ حضور علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ انسان کی بہتر خوراک وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھائے۔ اسکی اولاد بھی اسی کی کمائی ہے۔ مگر یہ جواب نامکمل ہے اس لئے اسے تکمیل کی ضرورت ابھی باقی ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ایمان سے اور خدا اور رسولؐ کی اطاعت سے اپنے عمل کے علاوہ اپنے مسلم بھائیوں کے عمل سے بھی فائدہ اٹھانے میں کوشش کرتا ہے۔ جیسا کہ زندگی میں اپنے عمل کے ہوتے ہوئے انکے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ مسلمان ایک دوسرے کے لیے عمل سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔ جیسے ملکر شریک کار ہوں جیسے باجماعت نماز ادا کرنا وغیرہ۔

پھر شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ مومن کا مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہونا اور ان سے برادری کا معاہدہ قائم کرنا ہی ایک بڑا سبب ہے۔ اس امر کا کہ ہر مسلم کو اپنے بھائی کی طرف سے فائدہ پہنچے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔

پھر شیخ فرماتے ہیں کہ انسان اپنے ایمان کیوجہ سے اپنے حق میں دعائے خیر لینے کا باعث ہوتا ہے۔ تو گویا یہ دعا بھی اسی کی کوشش ہے۔ اسکی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عبادت کو اس امر کا سبب بنایا ہے

کہ وہ عابد اپنے مسلم بھائیوں کی دعا اور سعی سے فائدہ اٹھائے تو انسان جب عبادت کرتا ہے تو وہ گویا اس سبب کے پیدا کرنے میں کوشش کرتا ہے۔ جس کے طفیل سے وہ فائدہ اسے پہنچایا جاتا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی دلالت کرتا ہے۔ جو آپؐ نے عمروؓ بن عاص کو فرمایا تھا جب کہ اس کا باپ بحالتِ کفر مر گیا اور اس نے اسکی طرف سے ایک غلام آزاد کیا کہ اگر وہ توحید کا قائل ہو جاتا تو یہ غلام آزاد کرنا اسے مفید پڑتا جو اسکی موت کے بعد اسکی طرف سے آزاد کیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر وہ سبب پیدا کرتا تو گویا یوں سمجھا جاتا کہ وہ ایسا کام کرتا تھا جو اسکو غلام آزاد کرنے کا ثواب پہنچا دیتا۔ یہ طریق جواب بہت لطیف اور خوب ہے۔ اب وہ تمام مضمون مختصر طور پر یہاں ختم ہو گیا ہے۔ جو شیخ ابن قیم جوزی نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے سولھویں مسئلہ میں درج کیا ہے۔

اب عبد ضعیف (مؤلف رسالہ ہذا) کہتا ہے کہ اگر تم کسی سے یوں کہہ دو کہ تیرے پاس تو صرف دنیاوی مال وہی ہے جس کے تم اب مالک ہو۔ مگر کسی نے اگر اسکے بعد اسے بہت مال دیدیا تو اس واقعہ سے تمہارا وہ پہلا کہنا غلط نہ ہو گا کہ تم صرف اتنے مال کے ہی مالک ہو۔ جواب تمہارے پاس ہے۔

۹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت و بشریت

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ جو شخص آپ پر بشر کا لفظ استعمال کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسمیں حضور علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے۔ کیونکہ کافر ہتک کرتے ہوئے یہ لفظ کہا کرتے تھے کہ تم آخر بشر ہی ہو۔

ایک فریق کا قول ہے کہ آپ ہمارے جیسے ہی بشر تھے۔ کیونکہ آپ کو خدا نے حکم دیا ہے کہ آپ کہدیں کہ میں تو تمہارے جیسا ہی انسان ہوں۔ اور ہمارے نزدیک آپ کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ کس وجہ سے ان لوگوں نے رسول کو بڑا بھائی بنایا ہے کیونکہ اگر اس بڑائی سے مراد پہلے زمانہ میں ہونا مراد ہے تو ابولہب کو زیادہ مستحق ہے۔ کہ ان کا بھائی بن جائے۔ کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین پہلے زمانہ میں ان سے متفق ہو گزرا ہے۔ اور اگر بڑائی سے مراد مرتبہ کی بڑائی ہے یا قرب الٰہی کی بڑائی مراد ہے۔ تو ان کو حضور علیہ السلام کوئی بھی تناسب حاصل نہیں ہے۔ اور اگر ان کی مراد اسلامی برادری ہے تو پھر بڑا بھائی کہنے سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ تمام مومنین چھوٹے بڑے یکساں بھائی ہیں۔ بہر حال یہ دونوں فریق افراط وتفریط میں پڑے ہوتے ہیں۔

حق بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی تشریح یوں کی جائے کہ بشر اولاد آدم علیہ السلام کا نام ہے۔ جسکے معنے انسان ہے۔ خدا نے آدمؑ کو بھی بشر کہا ہے۔ چنانچہ خدا نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کروں گا۔ اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آدم علیہ السلام کی ہی اولاد ہیں۔ اور جب باپ بشر ہے تو بیٹا بھی ضرور بشر ہی ہو گا۔ مگر اس کے علاوہ بشر کے اور اوصاف اور خاصیتیں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ قربِ الٰہی تک پہنچتا ہے۔ اگر وہ یہاں پہنچ گیا تو فرشتوں سے بھی افضل ہو گا۔ اور اگر بارگاہِ الٰہی سے دوری کے گڑھوں میں گر گیا تو شیطان سے بھی زیادہ رذیل ہو گا۔ تو انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً خدا کے فضل وکرم سے قربِ الٰہی کے اعلیٰ درجات پر پہنچ چکے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ آپؐ تو قابِ قوسین او ادنیٰ کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا کا فضل آپؐ پر بے حد تھا باوجود اس قربِ الٰہی کے پھر بھی آپؐ بشر اور انسان ہی ہیں۔

اب یہ بحث باقی ہے کہ قرآن شریف میں جو مثلکم آتا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی حقیقت میں اشتراک کی وجہ سے آپ کو دوسروں سے مساوات حاصل ہے۔ مگر بشر کی خصوصیات اور اعلیٰ صفات میں ان سے الگ ہیں اور مساوات فی البشریہ کیلئے صرف ایک وصف بھی کافی ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ آپؐ باقی صفات کاملہ میں بھی دوسروں کے مساوی ہوں یا وہ آپ کے مساوی ہوں جیسا کہ تم یوں کہتے ہو کہ زید شیر ہے تو تمہارا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ زید شیر کے ساتھ شجاعت میں مساوی اور شریک ہے۔ باقی صفات شیر میں شریک نہیں کیونکہ شیر وحشی جانور ہے۔ اور زید انسان ہے ایک مشہور ضرب المثل میں خوب کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر تو ہیں مگر عام بشر کی مانند نہیں بلکہ آپؐ یاقوت کی طرح ہیں کہ وہ بھی پتھر تو ہوتا ہے مگر اُسے یاقوت کہتے ہیں۔ پتھر نہیں کہتے۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہ لوگ حضور علیہ السلام سے بشریت کی نفی کیوں

کرتے ہیں حالانکہ بشریت ہی آپؐ کی رسالت کی تصدیق اور آپؐ کے معجزات اور خرق عادات کی تصدیق کا سبب ہے۔ کیونکہ انسان سے جب معجزات صادر ہوں یا خرق عادات تو یہی تصدیق رسالت کا سبب بنا کرتے ہیں۔ ورنہ اگر یہ سب کچھ فرشتوں سے صادر ہوں یا جن اور شیطان سے پیدا ہو تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ کیونکہ خرق عادات فرشتوں اور شیاطین سے ایک مسلّم اور عادی امر ہے۔ بلکہ معجزہ اور خرق عادت کی حقیقت ہی انسان سے تعلق قائم کرنے کے ساتھ پیدا ہوا کرتی ہے کہ دوسرے انسان انبیاء علیہم السّلام کے بغیر ایسا کرنے سے عاجز ہوا کرتے ہیں۔ اسی بناء پر معجزہ کو خرق عادت کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی معجزہ بنی آدم کی روزمرہ عادت کے خلاف ہوتا ہے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ وہ معجزہ فرشتوں یا شیاطین کی طاقت سے بھی باہر ہوتا ہے۔

صوفی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السّلام نور ہیں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ، قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (پارہ ۶ ۔ سورۃ مائدہ ۔ رکوع ۳) "اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے اور روشن کتاب (قرآن مجید) لایا ہے۔" اس لیے آپؐ کو بشر کہنا صحیح نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ہمیں بھی تسلیم ہے اور ہمارا بھی ایمان ہے کہ آپؐ نور ہیں مگر نورانیت انسان اور بشر ہی کیلئے تعریف کا سبب بنتی ہے۔ جبکہ وہ کثافت بشری سے نکل کر اصل نورانیت کے بلند مراتب پر ترقی کر جائے اور جب انسان کے بغیر اگر کوئی (مثلاً فرشتہ) نورانیت سے موصوف ہو جائے تو اس کی یہ تعریف شمار نہ ہوگی۔ کیونکہ نورانیت اس میں فطرتی ہوتی ہے۔ بعد میں حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ، وَالْقَمَرَ نُوْرًا (پارہ ۱۱ ۔ سورۃ یونس ۔ رکوع ۱) "ہم نے چاند کو نور بنایا۔" تو چاند نے کثیف مادہ سے نورانیت کی طرف

ترقی نہیں کی۔ بلکہ خدا نے اسے منوّر ہی پیدا کیا ہے۔ تو اسکی نورانیت فطرتی ہوگی جسمیں نہ کوئی تعریف نکلتی ہے اور نہ قابلِ قدر روح پیدا ہوتی ہے۔ خدا نے فرمایا ہے کہ، یَهْدِي اللّٰهُ لِنُورِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط (پارہ ۱۸ سورۃ نور۔ رکوع ۵) "خدا جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے" پس ایسی بشریت جو نفسانی کدورتوں سے صاف ہو ایک بڑی تعریف اور مدح ہے اور بہت بڑا کمال ہے۔ مجھے ایسے لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ کیسے کمال کو نقص جانتے ہیں۔ اور کس طرح مدح کو مذمت سمجھ رہے ہیں۔

۱۰۔ غیر اللہ کی تعظیم

مختلف فیہ مسائل میں سے غیر اللہ کی تعظیم بھی ہے۔ چند لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم شرک ہے یا کفر ہے یا بدعت ہے۔ اس میں ان کی رائیں مختلف ہیں۔ مؤلف رسالہ ہذا کہتا ہے (خدا اسے اس امر کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے) کہ میں اس رسالہ سے پہلے کئی سال ایک کتاب تصنیف کر چکا ہوں۔ جس کا نام ہے "الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ" جسمیں کئی باب ہیں اور ایک خاص باب اس عنوان سے لکھا ہے کہ "باب اوّل غیر اللہ کی تعظیم میں" اور وہ کتاب چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہے اور جماعت مخالفین کے اہل علم کے پاس پہنچ چکی ہے۔ کہ ناہم مخالف کہتا ہے کہ غیر اللہ میں بت اور مورتیاں بھی داخل ہیں اسلیئے تم انکی بھی تعظیم کیا کرو۔ حالانکہ یہ صحیح ہے۔ کہ بتوں کی تعظیم شرک ہے۔ اور جواب میں میں کہتا ہوں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ جمیع غیر اللہ قابل تعظیم ہیں تاکہ اسمیں بت بھی شامل ہوں۔ کیا خدا تعالیٰ نے یوں نہیں کہا کہ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی (پارہ ۳۰ سورۃ اقرء۔ رکوع ۱) "انسان سرکشی کرتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ خود مالدار ہے" تو کیا انبیاء علیہم السلام نوع انسانی میں داخل نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ان پر سرکشی کا حکم کیسے صحیح ہوگا۔ خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ، یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (پارہ ۸۔ سورۃ اعراف۔ رکوع ۳) "اے بنی آدم ہر مسجد اور نماز کے وقت اپنی زینت حاصل کرو" تو کیا کفار بنی آدم میں داخل نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ہر ایک نماز میں انکی زینت کیسے ہوگی۔ غرضیکہ اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔ چنانچہ یہ ایک اور مثال ہے کہ خدا نے

کہا ہے کہ، قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ (پارہ ۳۰ - سورۃ عبس - رکوع ۱) "انسان بڑا کافر ہے، جس سے مرادِ تمام انسان نہیں۔" اس کے سوا اور بھی کئی ایک مثالیں ہیں۔ پس اگر غیر اللہ کے عام لفظ میں بُت داخل ہیں۔ تو انبیائے معصوم بھی طغیان میں داخل کرنے پڑیں گے۔ اور کفار بھی ان کے خیال میں داخلِ صلوٰۃ ہوں گے۔ تو جو جواب تم دوگے وہی جواب ہم دیں گے۔ مگر ہاں بعض غیر اللہ وہ بھی ہیں جن کی تعظیم کا حکم خود خدا نے دیا ہے اس لئے انکی تعظیم واجب ہوگی۔ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ، ذٰلِکَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ۝ (پارہ ۱۷ - سورۃ الحج - رکوع ۴) "جو خداوندی یادگاروں کی تعظیم کرتا ہے۔ تو یہ تعظیم ان کے دل کے تقویٰ کی علامت ہے۔ کوہ صفا اور کوہ مروہ بھی اللہ کی یادگار ہیں۔ چنانچہ صاف لفظوں میں خدا نے کہا ہے کہ بیشک صفا و مروہ اللہ کے شعائر میں سے جو کہ حرم مکہ کے قریب دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ یہ بھی کہا ہے کہ بڑے جانور (اونٹ اور گائے) خدا نے تمہارے لئے اپنی یادگار بنائے ہیں۔ مزدلفہ اور منیٰ بھی شعائر اللہ ہیں۔ چنانچہ خدا نے کہا ہے کہ مشعر حرام (مزدلفہ ومنیٰ) میں اللہ کا ذکر کرو۔ ارے یہ تو بتاؤ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حجر اسود کو کیا نہیں بوسہ دیا کرتے تھے؟ تو کیا بوسہ دینے میں تعظیم نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو خود والدین کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے بھی کہا ہے کہ، فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ۝ (پارہ ۱۵ - سورۃ بنی اسرائیل - رکوع ۳) "اے انسان تو اپنے ماں باپ کو اُن کے جواب میں یہ بھی کہو کہ (اُف) مَیں تمہارے کہنے سے بیزار ہوں بلکہ ان پر آوازہ نہ کسنا اور ان سے بات کہنی ہو تو انسانیت سے کہنا۔ پھر کہا

کہ، اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ۔ (پارہ ۲۱ ۔ سورۃ لقمٰن ۔ رکوع ۲) ۝ اے انسان میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا بھی شکریہ ادا کر۔ اب بتاؤ کہ کیا ان دونوں آیتوں میں والدین کی تعظیم کا حکم نہیں؟ یہ بھی کہا کہ، لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ ۝ (پارہ ۲۷۔ سورۃ الواقعۃ۔ رکوع ۴) "قرآن مجید پاک ہی ہاتھ لگائیں۔" تو کیا اسمیں قرآن کی تعظیم نہیں؟ پھر کہا کہ، وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (پارہ ۲۸۔ سورۃ المنافقون۔ رکوع ۱) "اللہ اور رسولؐ اور مومنین کیلئے عزت ہے" تو کیا اس آیت میں رسولؐ اور مومنین کی تعظیم نہیں بتائی گئی؟ پھر خدا تعالیٰ نے کہا کہ، یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْہَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَہْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (پارہ ۲۶ ۔ سورۃ الحجرات۔ رکوع ۱) "نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور کوئی بات نبیؐ سے کہنی ہو تو گستاخی سے اونچی آواز کیساتھ مت کہو جسطرح کہ تم ایک دوسرے کو کہہ لیتے ہو، ورنہ تمہارے نیک عمل سب ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہ لگے گا۔" تو کیا اس آیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم مذکور نہیں؟ اس قسم کی اور بھی بہت آیات ہیں۔ اور احادیث بھی اس مضمون کے متعلق بہت ہیں۔ پس اگر تم مذکور الصدر مخلوق کی تعظیم کا وجوب تسلیم کرتے ہو تو تمہارے اس قول کا کوئی مطلب نہ ہوگا۔ کہ غیر اللہ کی تعظیم حرام ہوتی ہے بالفرض اگر تم اسے تسلیم نہیں کرتے تو آپ ہمیں آیت مذکورہ بالا کا مطلب سمجھادیں کہ کیا ہے؟ اور اس آیت کا مطلب بھی بتادیں کہ کیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے کہ، لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ (پارہ ۲۶

سورۃ الفتح ۔ رکوع ۱) " تم اپنے نبی کی عزت و توقیر کیا کرو اور اگر تم اپنی گمراہی پر ہی اڑے رہے تو ہم تمہارے متعلق یہ آیت پڑھ دیں گے ۔ کہ، اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ (پارہ ۲۵۔ سورۃ العاثیۃ۔ رکوع ۳) " کیا تم ایسے لوگ نہیں دیکھتے ہو جو رائے پرستی کرتے ہیں؟ اور خدا نے دیدہ دانستہ ان کو گمراہ کر دیا ہے ۔ اور ان کے کان اور قلب پر مہر کر دی ہے ۔ اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے تو اب خدا کے بعد ان کو کون ہدایت دے سکتا ہے؟

پس جب مقامات مقدسہ اور پہاڑ اور جانور بھی قرآنی حکم سے واجب التعظیم ٹھیرے ...... تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اولیاء زندہ ہوں یا مُردہ وہ سارے خدا کے نیک ایماندار بندے ہیں ۔ اور وہ واجب التعظیم ہیں ۔ چنانچہ میں پہلے یہ آیت لکھ چکا ہوں ۔ کہ، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (پارہ ۲۸ ۔ سورۃ منافقون ۔ رکوع ۱) " عزت اللہ کی ہے اور اُس کے رسول کی اور رسول کے ماننے والوں کی " تو کیا اولیاء اللہ اور صلحاء اور مومنین کی جماعت میں داخل نہیں؟ بھلا یہ بتاؤ یہ کس نے کہا تھا کہ، يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (پارہ ۲۸ ۔ سورۃ منافقون ۔ رکوع ۱) " اگر ہم مدینہ میں واپس آئیں گے تو صاحب عزت ذلیل کو وہاں سے نکال دیگا ! میں بتاؤں ۔ یہ منافقوں نے کہا تھا اور وہ اس سے رسول علیہ السلام کی توہین چاہتے تھے ۔ جس کو خدا نے واجب التعظیم قرار دیا تھا ۔ اسلئے خدا نے انکی تردید

میں کہا کہ، وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ
(پارہ ۲۸۔ سورۃ منافقون ۔ رکوع ۱) "عزت تو اللہ اور رسول ﷺ کی ہے
اور مومنین بھی ذی عزت ہیں۔" اب دیکھیں کون نکلتا ہے؟ سچ بتاؤ جس کو
خدا واجب التعظیم ٹھیرائے اسکی توہین کرنا کس مسلمان کا کام ہے۔

کیا تم مخالفین نے رسول علیہ السلام کا یہ حکم بھی نہیں سُنا کہ
جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ لڑائی سے واپس آئے تھے تو آپ ﷺ نے
انصار سے کہا تھا کہ اپنے سردار کا کھڑے ہو کر استقبال کرو تو یہ قیام تعظیمی تھا۔
اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ حکم اس لیئے تھا کہ آپ بیمار تھے تا کہ گھوڑے
سے آپ کو بآرام اتاریں۔ ورنہ تعظیم کے لیے یہ حکم نہ تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ اس واقعہ
کے متعلق سلسلۂ کلام اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر گھوڑے پر سے اُتارنا
مراد ہوتا تو یوں کہنا مناسب تھا۔ کہ ارے فلاں آدمی اٹھو اور ان کو گھوڑے
سے اتارو۔ یا یوں حکم ہوتا کہ ارے فلاں وفلاں تم دونو اٹھو اور سعد کو گھوڑے
سے اُتارو۔ مگر یہاں تو جماعت کو مخاطب کیا ہے۔ اور سعدؓ کو سید کہا ہے
اور یہ سید کا لفظ سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں بآواز بلند پکارتا ہے کہ آپ نے
جو فرمایا تھا کہ اپنے سردار کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ اس سے مراد حضرت سعدؓ کی
تعظیم وتوقیر تھی۔ پھر کیا مخالفین کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السّلام کے دربار میں صحابہ
رضی اللہ عنہم ایسے متواضع ہو کر بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہوئے
ہیں۔ اب خدا جسے چاہے راہ راست کی ہدایت کرے۔

۱۱۔ مُردوں کا سُننا

مختلف فیہ مسائل میں سے سماع موتیٰ کا مسئلہ بھی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ مُردے نہیں سنتے اور ثبوت یہ دیتے ہیں کہ خدا نے حضور علیہ السّلام سے کہا ہے کہ، اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ (پارہ ۲۰ - سورۃ نمل - رکوع ۶) "آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے" اور یہ بھی کہا کہ، اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ۝ (پارہ ۲۲ - سورۃ فاطر - رکوع ۳) "آپ اُن مُردوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں پڑے ہیں۔"

اور ہم جواب میں یوں کہتے ہیں کہ مُردوں اور قبر والوں سے مراد یہاں کفار ہیں (جو کہ زندہ در گور ہیں) اور سننے سے مراد تصدیقی سننا ہے۔ اور اس امر کا ثبوت کہ یہاں سننے سے مراد تصدیقی سننا ہے، یہ ہے کہ کفار کے کانوں میں بہرا پن نہ تھا کہ حضور علیہ السّلام کا کلام نہ سُن سکتے۔ پس وہ اگرچہ بظاہر سنتے تھے۔ لیکن تصدیقی سننے سے محروم تھے۔ اسی محاورہ کے مطابق ہے۔ نمازی کا یوں کہنا کہ سمع اللّٰہ لمن حمدہ خدا اسکی بات مان لیتا ہے جو اُس کی تعریف کرتا ہے۔ یہاں بھی تصدیقی سننا مراد ہے۔ اسطرح یہ محاورہ بھی ہے کہ میں نے امیر کو اپنی حاجت روائی کیلئے پکارا مگر اس نے ایک نہ سنی، یعنی میری پکار کو منظور نہیں کیا۔ پس دونوں آیتوں میں مُردوں کے نہ سننے کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ انہیں سماع موتیٰ کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ یہاں کفار کو مُردوں سے مساوی مانا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سنتے تھے اور وہ نہیں سنتے تھے تو یہ مساوات کیسے ہوگی؟ تشبیہ تب ہی صحیح ہوگی کہ دونوں بظاہر سنتے تسلیم کیے جائیں سو حقیقت یہ ہے۔ کہ جسطرح کفار

بظاہر سنتے ہیں تو مُردے بھی بظاہر سنتے ہیں مگر تصدیقی سننا دونوں میں نہیں۔ کیونکہ کفار انکار قلبی کیوجہ سے اس سے محروم ہیں۔ اور مُردے اس سے اسلئے محروم ہیں کہ وہ جواب نہیں دے سکتے تو گویا وہ بھی نہیں سنتے۔

اب دونو آیت کا مفہوم یوں ہے کہ آپ تو ان کو نہیں سنا سکتے مگر خدا انکو سنا دیگا۔ جیساکہ ارشاد ہے کہ آپ تو اسے ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ پسند کریں۔ لیکن خدا جسے چاہے ہدایت دے دیتا ہے اور قرآن مجید میں اسکی تصریح بھی موجود ہے۔ کہ خدا جسے چاہے سُنا دیتا ہے اور آپ اہلِ قبور کو نہیں سنا سکتے۔

اب ہم اصل مسئلہ سماع موتیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سُننا، دیکھنا، بولنا، حملہ کرنا، چلنا اور تمام خود اختیاری فعل روح انسانی کا فرض ہیں کہ جب تک انسان زندہ رہے اسکی روح حواس اور بیرونی اعضاء کی امداد سے وہ فرائض بہم پہنچائے اور موت کے بعد اس کا فرض ہے کہ بغیر امداد حواس اور بیرونی اعضاء کے یہ سب کام کرے۔ اسکی مثال نیند ہے۔ کیونکہ نیند کی حالت میں تمام حواس معطل ہوجاتے ہیں، خواہ ظاہری ہوں یا باطنی اور بیرونی اعضاء بھی کام سے رہ جاتے ہیں۔ مگر روح حسبِ دستور چلتی ہے اور سنتی ہے، دیکھتی ہے، بولتی ہے بولتی ہے، حملہ کرتی ہے، لذیذ چیزوں سے لذت بھی اٹھاتی ہے اور موذی اشیاء سے تکلیف بھی پاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ زندہ کی روح بحالتِ نوم اگرچہ جسم میں مقید ہے۔ سب کچھ کرلیتی ہے تو مُردہ کی روح جو جسمانی قید سے رہا ہوچکی ہے۔ کیسے ان افعال پر قادر نہ ہوگی۔ جن پر کہ بقیدِ جسمانی قادر تھی۔ اسی بناء پر کہا گیا ہے۔ کہ نیند موت کے برابر ہے۔

اور ارواح کفار کے جو دوزخ کے قیدخانوں میں قید ہیں وہ ان

امور کے دریافت کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ اور اپنی بدعملی کے بدنتائج میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسی طرح گنہگاروں کی روحیں بھی جب تک کہ خدا ان پر رحم نہیں کرتا۔ اپنے عذاب میں مصروف و مبتلا رہتے ہیں۔

۱۲۔ بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ لینا

متنازعہ فیہ مسائل میں سے ایک توسل کا مسئلہ بھی ہے کہ آیا اللہ کے نیک بندوں کی روحوں خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے؟ اور اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ انسان اپنے خدا کو پکارے اور بارگاہِ الٰہی کے صالح بندوں میں سے کسی ایک کو اپنا وسیلہ بنائے۔ مثلاً یوں کہے کہ یا اللہ میں تیری بارگاہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح مبارک کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ فلاں شیخ کی روح کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یہ صورت بلاشبہ جائز ہے، تمام اُمتِ محمدیہ کے نزدیک۔ ہاں اسکا وہ مخالف ہے جس کے دِل کو خدا نے اندھا کیا ہوا ہے اور اس کے کان اور آنکھ پر مہر کر دی ہے۔ اور ہمیں خدائے تعالیٰ نے اس آیت سے ہدایت کا راستہ بتا دیا ہے۔ کہ، یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (پارہ ۶۔ سورۃ مائدہ۔ رکوع ۶)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا کے عذاب سے ڈرو اور اسکی طرف وسیلۂ نجات طلب کرو" اس آیت میں وسیلہ طلب کرنے سے پہلے یہ لفظ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ اس میں اشارہ ہے کہ خدا کی مقدس بارگاہ میں وسیلہ طلب کرنے پر شوق دلایا گیا ہے۔ اور اسے واجب قرار دیا گیا ہے اور عباد اللہ کے وسیلہ پیش کرنے سے ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ دنیاوی اکابر سے عموماً اپنی حاجت طلب کرنا یوں ہی ہوتا ہے۔ کہ ہدیہ یا تحفہ کو وسیلہ بنایا جائے یا کسی مقرب کی سفارش پیش کی جائے جسکی عزت اُس بزرگ کے دل میں ہو۔ علیٰ ہذا القیاس عالم الغیب خدا بادشاہ کے دربار

میں بھی اپنی حاجت طلب کرنا سوائے وسیلہ پیش کرنے کے اور کوئی پختہ ذریعہ تلاش کرنے کے بغیر صحیح نہ ہوگا۔ اور اس مستغنی لاپرواہ خدا کے دربار میں بہترین تحفہ یہی ہے، کہ ارواح عباد اللہ صالحین کو وسیلہ بنایا جائے۔

مگر مخالف کہتے ہیں کہ جس وسیلہ پیش کرنے کا حکم قرآن مجید میں ہے اس سے مراد صرف اعمال صالحہ ہی ہیں۔ کسی کی شخصیت وسیلہ نہیں ہو سکتی اور ثبوت میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ تین آدمی غار میں پھنس گئے تھے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے اعمال حسنہ کو پیش کر کے دعا مانگی تھی۔ اور وہ دعا منظور بھی ہو گئی تھی۔

اور ہم جواباً کہتے ہیں کہ توسّل جس طرح اعمال سے جائز ہے۔ اسی طرح خدا کے نیک بندوں سے بھی صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قحط پڑ گیا تھا۔ تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسّل کیا تھا۔ درحقیقت کسی نیک بندے کا توسل پیش کرنا اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے نیک عمل پیش کئے جاتے ہیں۔ ورنہ ظاہری جسم پیش نہیں کیا جاتا تو اس لحاظ سے شخصی توسّل بھی توسّل بالاعمال بن جاتا ہے۔

۱۳۔ غائب کو بُلانا

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کے نیک بندوں میں سے کسی ایک کی روح کو پکارے اور یوں کہے کہ اے میرے مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری فریاد رسی فرمایئے یا یوں کہے کہ اے میرے آقا فلاں شیخ میری مدد کیجئے۔ تو اسکی تشریح یوں ہے:۔

کہ اگر اسکی مراد مجازی ہے یعنی جب وہ نیک بندے کو پکارتا ہے تو مجازی طریق پر پکارتا ہے۔ ورنہ وہ بھی جانتا ہے کہ خدا ہی دیتا ہے یا روکتا ہے۔ مگر عبد صالح درمیان میں وسیلہ ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی بارگاہ میں مقرب ہے اور میں اس امر کے لائق نہیں کہ خدا سے کوئی راز کی بات کہوں۔ تو یہ صورت جائز ہوگی کیونکہ اعمال کی بنیاد نیت پر ہوتی ہے اور انسان کو نیت کا پھل ملتا ہے۔

خُدا دینے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خُدا کا عطیہ تقسیم کرنے والے ہیں اور یہ دستور چلا آیا ہے کہ فقیر اور محتاج تقسیم کرنے والے کے پاس اپنی ضرورت پیش کیا کرتے ہیں۔ اور اصل سخی کی خدمت میں پیش نہیں کرتے۔

اسی بحث سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ غائب کو پکارنا صحیح ہے یا ناجائز؟ مخالف کہتے ہیں کہ ناجائز ہے کہ غائب کو پکارا جائے اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ غائب کے لفظ سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ آیا وہ آدمی جو نظر سے غائب ہو یا دل سے غائب ہو؟ اگر تم نظر سے غائب مراد لیتے ہو تو خدا بھی نظر سے غائب

ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ، لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (پارہ ۷۔ سورۃ انعام۔ رکوع ۱۳) وہ خدا کو نظر دریافت نہیں کرسکتی اور وہ بندوں کی نظر کو دریافت کرلیتا ہے۔" تو کسی مخالف کو بھی یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ وہ کہے "اے اللہ"

اگر مخالف کی مراد اس لفظ سے وہ غائب ہے جو دل سے پوشیدہ ہو تو خدا تعالیٰ تو ہر ایک کے قلب میں حاضر ہوتا ہے۔ اور کبھی غائب نہیں ہوتا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر ایک مومن کے قلب میں حاضر ہوتے ہیں اور غائب نہیں ہوتے۔ پس مومن بھی اسی کو پکارتا ہے جو اسکے دل میں حاضر ہوتا ہے۔ اور دل کا حاضر نظر کے حاضر سے بالاتر اور مرغوب تر ہوتا ہے۔ تو کوئی ایسا غائب نہ رہا جس کو پکارنا وہ ناجائز سمجھتے ہیں۔

اور مخالفین کا یہ کہنا کہ خدا تو سنتا ہے مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی پکار نہیں سنتے، قابل غور ہے۔ یہ مقام اس پر بحث کرنے کا نہیں اور مسئلہ سماع موتیٰ میں اسکی کچھ تفصیل گزر بھی چکی ہے۔ اگر بالفرض تسلیم بھی کیا جاوے کہ حضور علیہ السلام کسی کی پکار نہیں سنتے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ بتاؤ کہ یارسول اللہ اغثنی کا فقرہ خدا سنتا ہے یا نہیں؟ یہ تو ناممکن ہے کہ خدا نہ سنے۔ تو جب وہ سنتا ہے کہ اس کا ایک بندہ اس کے حبیبؐ اور برگزیدہ نبی علیہ السلام کو پکار رہا ہے اور اس کے اس رسول علیہ السلام سے فریاد کر رہا ہے جو مومنین پر کمال طور پر رحمدل ہے تو کیا خدا کا فضل یہ روا نہ رکھے گا۔ کہ اسکی مراد پوری کرے۔ پس اگر تم اسے مانتے ہو تو ہمارا مطلب بھی یہی ہے۔ اگر انکار کرتے ہو تو کوئی صحیح دلیل پیش کرو۔

دیکھو ایک حدیث میں آیا ہے جو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں درج کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ جو شخص میرے مقرب دوست سے عداوت کرے، مَیں اُسے لڑائی کا اعلان کروں گا۔ اور میری بارگاہ میں انسان کے لیئے تقرب کا وسیلہ اس سے بڑھ کر نہیں کہ جو میرے فرائض ہیں ان کو وہ ادا کرے۔ اسی طرح میرا بندہ نوافل سے میرا مقرب بنتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مَیں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر مَیں خود اسکی قوت سماعت بن جاتا ہوں تو وہ میرے ذریعہ سے سنتا ہے۔ اور اسکی بصارت بن جاتا ہوں تو وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ بتاؤ خدا کا بڑا مقرب اس کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کون ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ السّلام خدا کی سماعت سے سنتے ہیں اور اسی کی بصارت سے دیکھتے ہیں۔ تو پکارنے والا خواہ قریب ہو یا بعید، آپؐ اسکی پکار کیوں نہیں سنیں گے ؟ کیونکہ قرب و بُعد کا فرق تو ہمارے متعلق ہوتا ہے۔ حضور علیہ السّلام کے متعلق نہیں ہوتا۔ اس کا مشاہدہ وہ شخص کر سکتا ہے جبکی دونو آنکھوں میں نورِ الٰہی کا سُرمہ لگا ہوا ہو۔

۱۴۔ صالحین کے مقبروں کی زیارت

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ قبور انبیاءؑ و اولیاءؒ کی زیارت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنا بدعت ہے۔ اگرچہ وہ قبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہی ہو۔ بعض کہتے ہیں وہ شرک ہے بہر حال ان کا آپس میں بڑا اختلاف ہے۔

مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیسے تمام اُمّتِ محمّدیہ کو مشرک بنانے کی جرأت کر لیتے ہیں۔ جو عہد رسالت سے لیکر اب تک چلی آئی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمّت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔ اور اس جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص کسی مومن کو یہ لفظ کہے "اے کافر" تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کفر لیکر مرتا ہے۔ اس سے قطع نظر کرکے کہ زیارتِ قبور کے متعلق کئی ایک احادیث وارد ہیں۔ اور اہل علم کے تحقیقی قول بھی موجود ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ، وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (پارہ ۵۔ سورۃ النساء۔ رکوع ۹) "اے نبیؐ جن لوگوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا، اگرچہ وہ آپؐ کے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور آپ خدا کے رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور خدا کو مہربان اور توبہ قبول کرنے والا پاتے۔"

اب تم بتاؤ کیا اس آیت میں خدا نے رسولؐ کی زندگی کی شرط

لگائی ہے ؟ جیسا کہ تم اسکی تاویل کرتے ہو۔ یا یہ شرط لگائی ہے کہ آنے والا دُور ہو یا نزدیک جیسا کہ تمہارا خیال ہے ۔ نہیں نہیں یہ آیت عام مفہوم رکھتی ہے ۔ خواہ زندگی میں کوئی آئے یا آپ کی وفات کے بعد پھر وہ خواہ قریب ہو یا بعید۔

قدیم اور موجودہ اُمت کا اتفاق ہے کہ زیارتِ قبور جائز ہے۔ اور قبور صلحاء کی ترغیب دینا بھی جائز ہے۔ کیونکہ زیارتِ قبور میں میت کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ (کیونکہ اس کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور قرأت قرآن کا ثواب دیا جاتا ہے اس کی روح کو) اور زائر کو بھی فائدہ ہوتا ہے کہ وہ ہوشیار ہو جاتا ہے۔ اور موت کی تیاری کرتا ہے۔ اور خدا کے نیک بندوں کی روحیں بارگاہِ الٰہی میں اسکی شفاعت کرتی ہیں۔

مگر جو کچھ جاہل وہاں جاکر کرتے ہیں مثلاً قبر کو سجدہ کرنا یا اس کا طواف کرنا ۔ تو وہ بہر حال حرام ہوتا ہے ۔ اور اہلِ علم کا فرض ہے کہ ان کو آدابِ زیارت کی تعلیم دیں اور اصل زیارت سے ممانعت نہ کریں کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نابینا مسجد میں آکر نماز پڑھتا ہے اور قبلہ رُخ نہیں ہوتا ، تو دیکھنے والے کا کیا یہ فرض ہوتا ہے کہ اُسے بتلائے اور اس کا رُخ قبلہ کیطرف کرے یا یہ فرض ہوگا کہ وہاں اسے نماز سے روک دیں؟

مگر ان کی یہ دلیل کہ حدیث میں ہے کہ تین مسجدوں کے بغیر کسی اور مقام کی طرف سواری پر سفر نہ کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مساجد سے مخصوص ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کی بعض روایات میں مسجد کا صاف لفظ موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ کسی مسجد کی طرف شدِ رحال یعنی سفر نہ کیا جائے سوائے تین مساجد کے اور تجارت اور جہاد وغیرہ کی طرف سفر کرنا

خود شرع شریف میں فرمایا گیا ہے۔ جس کا انکار ہٹ دھرم بیوقوف کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

دیکھو خدا کا حکم ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو اپنی نماز کی جگہ بناؤ۔ اور مقام ابراہیمؑ صالحین کے آثار میں سے ہے۔ تو جب ایسے آثار صالحین میں نماز ادا کرنے کا حکم ہے تو ان کے مزارات کے متعلق تمہارا ممانعت کے لئے کیا خیال ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کے مزارات شریف نمازی کے قبلہ کیطرف نہ ہوں۔

۱۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شفاعت کرنا

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ شفاعت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ شفاعت ناممکن ہے۔ کیونکہ شفاعت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ شافع وجیہ ہو۔ یا خدا کا محبوب ہو۔ اور یہ دونوں امر خدا کے یہاں محال ہیں۔ تیسری صورت شفاعت بالاذن کی ہے۔ اور یہ گو نفی شفاعت کے برابر ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو کبیرہ گناہ کرنے والوں کیلئے ہوگی نہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے والوں کے لئے ہوگی۔ اور چند صغیرہ گناہ والوں پر خدا خود ہی رحم کر دے گا جبکہ توبہ اور ندامت ان کے ساتھ ہوگی۔ تو خدا بھی کسی سبب کے بغیر ان کو معاف نہیں کرے گا۔ لیکن جسے چاہے معاف کر دیگا اور جسے چاہے گا شفاعت کی اجازت دیگا۔ (ان کا عقیدہ یہاں ختم ہوا)

مگر میں پہلے تو یہ کہتا ہوں کہ وجیہ اور محبوب کی شفاعت محال نہیں ہے۔ خدا کے نزدیک بلکہ ضروری ہے۔ (نہ اس لئے کہ خدا شفیع سے ڈرے گا اور نہ اسلئے کہ خدا اپنے محبوب کو ناراض کرنے سے دردمند ہوگا) بلکہ اس لیئے کہ وہ اپنے محبوب اور اپنے خاص بندوں پر خاص فضل و کرم کرے گا۔

دوم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجاہت بارگاہِ الٰہی میں ازروئے قرآن ثابت ہے اور آپ کی محبوبیت بھی ثابت ہے۔ ارشاد ہے کہ: اَلْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران۔ رکوع ۵) "وہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا و آخرت میں وجیہہ ہیں اور مقربین بارگاہِ الٰہی میں سے ہیں۔" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے کہ۔ فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ

عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْہًا ۝ (پارہ ۲۲ - سورۃ احزاب - رکوع ۹) "جو الزام مخالفین دیتے تھے اس سے خدا نے آپ کو بری کر دیا اور آپ خدا کے دربار میں وجیہ تھے۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجیہ اور مقرب بارگاہِ الٰہی ٹھہرے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس مرتبے کے سب سے بڑھ کر حقدار ہوں گے۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ آپؐ پر خدا کا فضل بہت بڑا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ، قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (پارہ ۳ - سورۃ آل عمران - رکوع ۴) "آپ فرما دیں کہ اے مومنین اگر تم خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ تب خدا تعالیٰ تم کو بھی اپنا محبوب بنا لے گا۔" خیال کرو کہ جب تابع محبوب الٰہی ہؤا تو متبوع کیوں محبوب الٰہی نہ ہوگا۔ حالانکہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا خطاب محبوب الٰہی ہے۔ جو جب آپؐ کی وجاہت خدا کے دربار میں ثابت ہے اور خدا کی محبت بھی ثابت ہے تو آپؐ کی شفاعت کے منظور ہونے میں کیا کسر باقی ہے۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھے خاص طور پر شفاعت کرنے کا مرتبہ عطا ہؤا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ، وَمِنَ الَّیْلِ فَتَہَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (پارہ ۱۵ - سورۃ بنی اسرائیل - رکوع ۹) "عنقریب خدا آپ کو مقامِ محمود پر پہنچا دیگا۔" اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ مقام محمود سے مراد شفاعتِ کبریٰ اور عام شفاعت کا مرتبہ ہے۔

اب رہی شفاعت کی تیسری قسم تو اس کے متعلق ہم یوں کہتے ہیں کہ شفاعت کا مطلب ہی یہ ہے کہ کسی کیلئے استغفار اور طلب مغفرت کی جائے اور یہ ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود اپنے انبیاء علیہم السّلام کو حکم دیا ہوا ہے کہ اپنی اپنی اُمت کیلئے خدا سے مغفرت طلب کریں۔ چنانچہ حسب الحکم خداوندی حضرت ابراھیم علیہ السّلام دست بدعا ہو کر فرماتے ہیں۔ کہ،

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

(پارہ ۱۳ - سورۃ ابراھیم - رکوع ۶) "اے ہمارے رب مجھے بخش میرے والدین کو بخش اور مومنین کو بخش، جس دن کہ حساب کا محکمہ قائم ہوگا۔" جناب موسیٰ علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ، اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ (پارہ ۹ - سورۃ اعراف - رکوع ۱۹) "یا اللہ تو ہی ہمارا سرپرست ہے ہماری مغفرت کر اور ہم پر رحم کر اور تو تمام مغفرت کرنے والوں سے بہتر ہے۔" اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام فرماتے کہ، اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (پارہ ۷ - سورۃ مائدہ - رکوع ۱۶) "یا اللہ اگر میری اُمت کو تو عذاب کرے تو کوئی چارہ نہیں، کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو اُن کو معاف کر دے تو یہ تیری شان کے شایان ہے کیونکہ تو عزت و حکمت کا مالک ہے۔" دیکھو آپ نے کن نرم لفظوں میں مغفرت طلب کی ہے۔

اور خدا تعالےٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد کیا ہے کہ، وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (پارہ ۱۱ سورۃ توبہ۔ رکوع ۱۳) "اپنی اُمت پر نماز جنازہ اور دعائے خیر کرو، کیونکہ آپ کی دعائے خیر اُن کیلئے باعثِ تسکین ہے۔" پس ہی حکم امر اور اذن بالشفاعۃ

ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ، وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَا سْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ٥ (پارہ ۵۔ سورۃ النساء۔ رکوع ۹) "جب انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، پس اگر آپؐ کے پاس آجاتے، اور خدا سے معافی مانگتے اور آپؐ بھی بحیثیت رسول اللہ ہونے کے اِن کے واسطے معافی مانگتے تو وہ ضرور دیکھتے کہ خدا تعالیٰ بڑا مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس انبیاء علیہم السّلام کے استغفار کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی اُمت کے لئے شفاعت کریں۔ چنانچہ خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد کیا ہے کہ، وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ٥ (پارہ ۲۶۔ سورۃ محمد۔ رکوع ۲) "اپنی کوتاہیوں کی پردہ پوشی طلب کرو اور زن و مرد اہل ایمان کے لئے مغفرت طلب کرو۔ کیونکہ خدا تو تمہارے حرکات و سکنات سے خوب واقف ہے۔ پس امر بالاستغفار ہی اذن بالشفاعۃ ہے اور اذن بھی بڑے زور کا ہے۔ کیونکہ امر کرنا اذن دینے سے زیادہ زوردار ہوتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی دیکھو کہ خدا نے ان مسلمانوں کی تعریف بھی کی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ، وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (پارہ ۲۸۔ سورۃ حشر۔ رکوع ۱) "جو اہل ایمان بعد میں آئے وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں"، پھر ارشاد ہے کہ۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ (پارہ ۳۰۔ سورۃ والضحیٰ۔ رکوع ۱) "اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا آپکو اتنا دے گا کہ آپؐ راضی ہو جائیں

گے اور خدا کا وعدہ سچا ہے۔" اسمیں خلافِ وعدہ کی گنجائش نہیں کیونکہ اس نے خود کہا ہے کہ، وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (پارہ ۱۷۔ سورۃ الحج۔ رکوع ۶) وہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اسی وعدہ پر بھروسہ کرتے ہوئے حضور علیہ السّلام نے فرمایا ہے (فعل ماضی کے لفظوں میں) کہ مجھے شفاعت کا عطیہ دیا جا چکا ہے۔

ہم پھر پوچھتے ہیں کہ اے اہلِ ایمان کیا تم اپنی نماز میں یہ دعا نہیں کیا کرتے کہ یا اللہ مجھے بخش، میرے والدین کو بخش اور قیامت کے دن مسلمانوں کو بھی بخش۔ اب بتاؤ تم کو دعائے مغفرت کیلئے کس نے اجازت دی ہے کہ تم والدین اور مسلمانوں کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہو؟ یہ بھی بتاؤ کہ کیا یہی طلب مغفرتِ شفاعت نہیں ہے؟ پس اگر تم یوں کہو کہ خدا نے ہمیں اجازت بخشی ہے تو ہم پوچھیں گے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ تمکو تو شفاعت کی اجازت ہو تا کہ تم اہل ایمان کے لئے طلبِ مغفرت کرو اور خدا نے اپنے حبیب اور برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجازت نہ بخشی؟ اگر تمہارے پاس کچھ صداقت ہے تو اس دعویٰ کی کوئی دلیل پیش کرو۔

اب رہا ان کا یہ قول کہ اہل کبائر کیلئے شفاعت نہ ہوگی اور نہ ان کیلئے جو گناہ صغیرہ پر مداومت کرتے ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ یہ قول خدا پر بہتان اور زبردستی کا حکم ہے۔ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ بیشک خدا تمام گناہ بخشدیتا ہے ہاں خدا تعالیٰ یہ گناہ نہیں بخشے گا کہ اس کا کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے بغیر جو چاہے، جو گناہ بھی ہوں سب بخشدے گا۔ اور شفاعتِ کبریٰ قیامت کے دن دبی ہوگی جو تمام مخلوق کی ہوگی۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ، عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (پارہ ۱۵

سورۃ بنی اسرائیل ۔ رکوع ۹) ''اے نبی خدا تعالیٰ عنقریب آپ کو مقام محمود پر پہنچا دے گا''، اور یہ شفاعتِ کبریٰ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہی حصّہ میں ہے۔ اور آپ سے مختص ہے۔

پس مخالفین کا یہ کلام کہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کریگا اور ان کا اس آیت سے دلیل پکڑنا کہ، مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (پارہ ۳ ۔ سورۃ البقرہ ۔ رکوع ۲۴) ''کون وہ ہے کہ بلا اجازت خداوندی اللہ کے پاس کسی کی سفارش کرے۔'' یہ دونو امر صحیح ہیں اور ان میں ذرا بھر شک نہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اذن بالشفاعۃ ہو چکا ہوا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر امر بالشفاعۃ بھی نافذ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے کہ، وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (پارہ ۱۱ ۔ سورۃ توبہ ۔ رکوع ۱۳) ''آپ ان کے لئے دعائے خیر کریں کیونکہ آپ کی دعائے خیر اُن کے واسطے تسکین ہے'' چنانچہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ، وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (پارہ ۲۶ ۔ سورۃ محمد ۔ رکوع ۲) ''زن و مرد اہل ایمان کیلئے آپ دعائے مغفرت کریں''۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے شفاعتِ کبریٰ کا عطیہ دیا جا چکا ہے اور اس حدیث کے باقی اجزا یہ ہیں کہ مجھے پانچ عطیے عطا ہوئے ہیں اور مجھ سے پہلے یہ کسی کو نہیں دیئے گئے۔ اوّل میرے رعب سے میری امداد کی گئی ہے۔ دوم یہ کہ تمام سطح زمین میرے لئے وضو اور نماز کی جگہ مقرر کر دی گئی ہے۔ سوم خاص مجھے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا ہے ورنہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو اسکا استعمال جائز نہ تھا۔ چہارم مجھے عام شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ پنجم یہ کہ میں تمام مخلوقات کیطرف رسول بنا کر بھیجا

گیا ہوں۔ (یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے)

مخالفین کا یہ قول کہ خدا تعالیٰ بلاوجہ معافی نہیں دے سکتا، بالکل غلط ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ پہلے تو یہ قول اُن عیسائیوں کے کلام سے بھی بڑھکر معیوب ہے۔ جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السّلام سے کہا تھا کہ کیا تیرا رب آسمان سے ہمارے لئے کھانا اُتار سکتا ہے؟ کیونکہ عیسائیوں نے خدا کی قدرت میں شک کیا تھا۔ اسلئے انہوں نے سوالیہ فقرہ پیش کیا۔ اور ان لوگوں نے یقین کر لیا ہے کہ خدا کو قدرت ہی نہیں کہ اپنا حق بھی بلاوجہ معاف کر دے۔ دوم یہ کہ بندہ اپنا حق بلاوجہ معاف کر سکتا ہے بلکہ صرف کرم اور مہربانی سے معاف کر سکتا ہے اور ان کے نزدیک خدا کو یہ طاقت نہیں۔ حالانکہ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اس سے کوئی چون وچرا نہیں۔ دیکھو یہ اُن کی توحید کا نتیجہ ہے۔ اور اپنے رب کی تعظیم کا ثمرہ ہے۔ نہیں نہیں، بلکہ وہ گمراہ ہو گئے۔ یا اللہ تو ہمارے دل کو راستی سے نہ پھیر، بعد اسکے کہ تُو نے ہم کو سیدھی راہ دکھائی ہے۔

۱۶۔ مزاراتِ اولیاء اللہ پر عرس

مختلف فیہ مسائل میں سے عرس مشائخ اور میلادِ نبوی کا مسئلہ بھی ہے۔ جو مقررہ اوقات میں منائے جاتے ہیں۔ مخالفین کہتے ہیں یہ حرام ہیں۔ بوجہ تعین وقت کے اور مجالس میلاد فعلِ یہود سے مشابہ ہیں۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر اصل حقیقت عرس کو ممنوع کہیں یعنی مساکین اور حاجتمندوں کو کھانا کھلانا تاکہ ایصال ثواب ہو۔ تو یہ کج بحثی ہوگی اور شرع کا خلاف ہوگا۔ کیونکہ خدا خود حکم دیتا ہے کہ، وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ (پارہ ۱۷۔ سورۃ حج۔ رکوع ۵) "سوالی اور غیر سوالی حاجتمندوں کو کھانا کھلاؤ"، یہ بھی فرمایا کہ، یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (پارہ ۳۔ سورۃ البقرہ۔ رکوع ۳۴) "جو مال ہم نے تمکو دیا ہے۔ اس سے خرچ کرو اللہ کی راہ میں پیشتر اسکے کہ وہ دن آئے جسمیں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستانہ کام آئے گا۔ اور نہ تمہارے کسی دوست کی سفارش کام آئے گی۔ یہ بھی فرمایا کہ، وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُهٗ (پارہ ۳۔ سورۃ بقرۃ۔ رکوع ۳۷) "جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو یا نذر دیتے ہو، خدا اسے جانتا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ، وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا (پارہ ۲۹۔ سورہ المزمل۔ رکوع ۲) "نماز بلاناغہ ادا

کرو اور زکوٰۃ دیا کرو، اور اللہ کو قرض حسنہ دو اور جو خیرات تم اپنے لئے پیشگی بھیجو گے اُسے خدا کے یہاں بہتر پاؤ گے اور اس کا ثواب بہت پاؤ گے۔" یہ بھی فرمایا کہ، وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ (پارہ ۲۹۔ سورۃ الدھر۔ رکوع ۱) "مومن کھانا کھلاتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو اگرچہ ان کو خود اس کھانے کی خواہش ہو۔"

اگر مخالفین تعین وقت کی وجہ سے عرس کو حرام کہتے ہیں تو غلط ہے۔ کیونکہ تعین وقت امور مباح میں مضر نہیں ہوتی۔ ارے تم یہ نہیں دیکھتے کہ حضور علیہ السلام نے یوم عاشورا کے روزہ کا اپنی اُمت کو حکم دیا تھا اور شوال کے چھ روزوں کا بھی حکم دیا تھا۔ اور رات کو نماز تہجد کا حکم دیا تھا۔ اور صلوٰۃ اشراق کا اور صلوٰۃ ضحیٰ کا اور ان سب کے اوقات متعین ہیں۔ اور حکم دیا کہ پیدائش کے بعد ساتویں روز بچے کا عقیقہ دیا جائے وغیرہ وغیرہ ان سب میں آپ نے وقت مقرر کر دیئے ہیں اور تعین وقت عرس میں اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ بلا تکلف جمع ہو جایا کریں۔ اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔

اگر وہ اس لئے منع کرتے ہیں کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا تو یہ بالکل غلط ہے۔ نہ اسے عقل مانتی ہے نہ کوئی نص تسلیم کرتی ہے۔ اور ہمارے اس مقصد (ایصالِ ثواب) کیلئے ام سعدؓ کے کنوئیں کی حدیث کافی ہے کیونکہ غیر کے عمل کا ثواب پہنچانا بحالت حیات و موت دونوں صورتوں میں جائز ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا حکم ہو چکا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ قدرت نہ ہو تو غیر سے حج کرانے میں شرعی حکم وارد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام حجۃ الوداع میں مقام مزدلفہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو ایک عورت نے یہی سوال کیا تھا۔

۱۷۔ میلاد النبی

مجالس میلاد اگرچہ موجودہ شکل میں خیر القرون کے وقت موجود نہ تھیں۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ یہ فعل مستحسن ہے اور تمام اہل اسلام کا شرق و مغرب میں معمول یہ ہے سوائے فرقہ نجدیہ غیر مقلدین کے اور یہ اصول ہے کہ جس امر مباح کو مسلمان مستحسن سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی مستحسن قرار پاتا ہے۔ اور مجالس میلاد میں یہی ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح ذکر کیجاتی ہے یا آپ کی مدح میں شعر پڑھے جاتے ہیں اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا سنت صحابہؓ ہے بلکہ سنت نبویہؐ ہے۔ کیونکہ روایات سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابت سے اپنے اشعار مدحیہ سُنا کرتے تھے اور کعب بن زبیر اور سواد بن قارب وغیرہ سے بھی آپؐ نے اشعار مدحیہ سُنے تھے۔ اس لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ ذکر میلاد اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا ممنوع یا بُرا ہے اور فعل بیہودہ ہے وہ شخص خود بُرا ہے اور راندۂ درگاہِ نبویؐ ہے۔

اب مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس وجہ سے ذکر میلاد کو منع کرتے ہیں اور مجالس میلاد کے علاوہ دیگر نو پیدا امور کو کیوں منع نہیں کرتے مثلاً مسافر خانوں کا بنانا یا مساجد کا سجانا بیل بوٹے سے یا قرآن مجید کو سنہری حروف سے لکھنا یا علوم عقلیہ مروجہ کا تعلیم دینا یا عربی علوم کی تعلیم مثلاً صرف، نحو، فلسفہ، ریاضی وغیرہ یا زمانہ حال کے مروجہ لباس کا استعمال

یا مختلف قسم کے کھانے تناول کرنا۔ جب اصل میں یہ سب مباح ہیں وہ ان پہ کوئی اعتراض نہیں کرتے مگر ذکر میلاد جسمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کا تذکرہ ہوتا ہے یا معجزات اور خرق عادات بیان ہوتے ہیں۔ جو آپؐ کی ولادت کے وقت رونما ہوئے تھے تو اسے حرام یا بدعت جتاتے ہیں شاید ممانعت کی وجہ صرف یہی معلوم ہوگی کہ ہم حضور علیہ السلام سے اظہار محبت کرتے ہیں اور بس خوب!۔

۱۸۔ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آنا

ان مسائل میں سے حضور علیہ السلام کے تصور کا بھی مسئلہ ہے۔ جو نماز میں بلا اختیار آجاتا ہے۔ مخالفین کے امام کا قول ہے کہ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آجانا نمازی کے اپنے جانوروں کے خیال سے بھی بدتر ہے۔ اور اس مقام پر اس نے ایک بدترین جانور کا ذکر کیا ہے۔ مگر میں جرأت نہیں کر سکتا کہ اس برے جانور کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے مقابلہ پر ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر کروں۔ اور ان کا یہ عقیدا بدترین عقائد میں سے ہے۔ ایسے عقائد سے خدا بچائے۔ تعجب ہے کہ پھر یہ لوگ حضور علیہ السلام کو فخر عالم بھی کہتے ہیں۔ مگر تم سوچو کہ جب فخر عالم کا ان کے نزدیک یہ حال ہے تو دوسرے انبیاؑ وصالحین کا کیا حال ہوگا۔ جو آپ سے بارگاہِ الٰہی میں کم درجہ پر مقرب ہیں۔ وہ بتائیں کہ جب وہ نماز میں واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا پڑھتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تصور کو کیا سمجھتے ہیں۔ یا جب کلّم اللہ موسیٰ تکلیما پڑھتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تصوّر کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ آیت پڑھتے ہیں کہ کانَ وجیھا فی الدنیا والآخرۃ ومن المقربین تو آپ کے تصور کو کس قدر وقیمت میں جانتے ہیں۔ ان پر ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ سارا قرآن تو حضور علیہ السلام کی تعریف سے پُر ہے۔ اور آپ کی تعریف بیان کرتا ہے۔ یا آپ کا قرب الٰہی اور محبتِ الٰہی ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔

(پارہ ۵۔ سورۃ النساء۔ رکوع ۸ اور ۱۱) "تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی خدا کی اطاعت کرتا ہے۔" قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران۔ رکوع ۴) "آپ کہدیں کہ اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔" اور یہ بھی فرمایا کہ، یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ (پارہ ۲۲۔ سورۃ احزاب۔ رکوع ۶) "اے نبی ہم نے آپ کو امت کا نگرانِ حال اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی طرف بلانیوالا اور روشن چراغ بنا کر مبعوث کیا ہے۔" یہ بھی فرمایا کہ، لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پارہ ۱۸۔ سورۃ النور۔ رکوع ۹) "تم رسول علیہ السلام کا بلاوا اپنے باہمی ایک دوسرے کے بلاوے کی مانند نہ بناؤ۔" یہ بھی فرمایا کہ، لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ (پارہ ۲۶۔ سورۃ الفتح۔ رکوع ۱) "تم رسول کی عزت و توقیر کرو۔" تو اب وہابی بیچارہ کیا کرے اور کیسے آپ کے تصور کو روک سکتا ہے۔ سخت افسوس ہے کہ خدا تو تعریف کرے اور قوم آپ کی یہ عزت کرتی ہے۔ کہ نماز میں آپ کے تصور کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے اور جانوروں کے تصور سے بھی بدتر جانتی ہے۔ پھر اس قوم نے اپنا نام کیا رکھا ہے؟ اہلِ حدیث! اِنّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

جب حضور علیہ السلام کے خلف الرشید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصال ہُوا تھا تو مشرک کہتے تھے کہ آپ ابتر ہو گئے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے جواب

دیا کہ، اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (پارہ ۳۰ - سورة الکوثر رکوع ۱) "آپؐ ابتر نہیں بلکہ آپؐ کے دشمن ابتر ہیں۔" ایک دفعہ آپؐ نے کوہ صفا پر تبلیغ اسلام کے لئے قریش کو بلایا تھا۔ تو ابولہب نے آخیر وعظ پر کہا تھا کہ کیا اسی کام کے لئے آپؐ نے ہمیں دعوت دی تھی۔ خدا کرے تم جلد تباہ ہو جاؤ۔ اس پر خدا ناراض ہوا اور اپنے حبیبؐ کی طرف سے جواب دیا کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں گے۔ اور وہ خود بھی تباہ ہوگا۔ اب انصاف پسند طبائع سے مجھے امید ہے کہ وہ خود قولِ وہابیہ اور قولِ ابولہب کا باہمی موازنہ کریں گے۔ (قول وہابیہ یہ ہے کہ نماز میں حضور علیہ السّلام کا تصور فلاں بدترین جانور کے تصور سے بھی بُرا ہے۔ اور ابولہب کا قول یہ ہے کہ اے نبیؐ تو تباہ ہو جائے) اور بتائیں گے کہ کس کا قول زیادہ بُرا اور بدظلم کرنے والا ہے، اور کس کا نہیں؟ ابولہب کو تو یہ سزا مل چکی کہ تبّت الخ لکھ کر جہنمی ہو گیا۔ مگر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے ایسے گندے لفظ کہے ہیں۔ افسوس وحی بند ہو چکی ہے ورنہ ابھی فیصلہ ہو جاتا۔ اب ان کا منہ کون توڑ سکتا ہے؟

یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ نمازی کو تشہد میں یوں کہنا جائز نہیں کہ اے نبیؐ آپ پر سلام ہو اور آپؐ پر خدا کی رحمت اور برکت نازل ہو۔ بلکہ یوں غائب سمجھ کر کہے کہ ہمارے نبی پر سلام ہو۔ تاکہ حاضری اور خطاب کے لفظ سے بچ جائے۔ کیونکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپؐ کی روح مبارک حاضر ہو جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب غائب کا لفظ اختیار کرنے سے آپؐ کی حاضری نہ ہوگی تو بتاؤ کہ جب نمازی السّلام علی النّبی کہے گا اور غائبانہ لفظ سے آپؐ پر سلام و درود بھیجے گا تو آپؐ کا تصور پھر آئے گا؟ تعظیم و توقیر کی صورت

میں یا معاذ اللہ اہانت وتحقیر کی شکل میں۔ پس اگر وہ تصور عزت وتوقیر کے ساتھ ہوگا تو وہابیوں کا اصول ٹوٹ جائے گا کہ جو شروع مسئلہ میں مقرر کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کا تصور مفسدِ صلوٰۃ ہے اور گدھے کے تصور سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر معاذ اللہ تحقیر کے ساتھ اسے تصور کریں تو اسلام کی بنیاد ہی کو اکھاڑیں گے۔ خدا تعالیٰ مناسب راستہ کی ہمیں ہدایت کرے۔

۱۹۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمِ مبارک کیساتھ تعظیمی لفظ "سیّدنا" بڑھانا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام سے پہلے سیّدنا کا لفظ بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ زیادتی بدعت ہے۔ خیر القرون کے وقت نہ تھی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ زمانہ تبدیلی سے محاورات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تم خود بتاؤ کہ کیا مولانا اور شیخنا، حضرتنا وغیرہ کے لفظ خیر القرون میں مستعمل تھے؟ حالانکہ موجودہ وقت میں جس ذی علم کو صرف نام سے پکارا جائے اور کوئی تعظیمی لفظ نہ بڑھایا جائے تو آنجناب ناک چڑھا لیتے ہیں اور اسے اپنی ہتک عزت جانتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے بڑھ کر عزت و توقیر کے حقدار ہیں۔

کیا خدا تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں یوں نہیں فرمایا کہ آپ سیّد پاکدامن تھے اور نبی صالح تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بنی آدم کا سیّد ہوں۔ اور سیّد کا لفظ مولیٰ کے معنے میں ہے بلکہ مولیٰ کا لفظ سیّد سے بھی اعلیٰ ہے۔ کیونکہ سیّد کا لفظ خدا پر استعمال نہیں ہوتا۔ اور مولیٰ کا لفظ خدا پر بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ، بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (پارہ ۲۶۔ سورۃ محمد۔ رکوع ۱) "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے مالک اور مولیٰ ہیں جو ایمان لائے ہیں۔" اور یہ بھی ارشاد ہے کہ، نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۝ (پارہ ۹۔ سورۃ الانفال۔ رکوع ۵) "خدا تعالیٰ بہترین مالک اور بہترین مددگار ہیں۔"

۲۰۔ خدا تعالیٰ سے کسی مخلوق کو شریک کرنا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے۔ کہ آیا فعلِ خداوندی میں غیر اللہ کو شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔ مثلاً کسی واتے کو یوں کہنا کہ یہ اللہ کی اور تمہاری مہربانی ہے۔ یا یوں کہنا کہ یہ چیز مجھے خدا اور خُدا کے رسولؐ نے دی ہے تو جواب یوں ہے کہ ایسے محاورں میں مجازی طریق استعمال ہوتا ہے اور حقیقی بھی تو فقرہ مذکورہ کے یہ معنیٰ ہوا کہ اصلی طور پر تو خدا نے دیا ہے۔ مگر بظاہر تم نے دیا ہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی سوال پوچھتے تھے اور صحابی جواب دینا گستاخی سمجھتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ اس کا جواب خدا اور خدا کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ اور اپنے اس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے علم میں شریک کر دیتے تھے۔

اور اس جوابی فقرہ کو کسی نے برا نہیں منایا۔ دیکھئے ارشاد ہے کہ، بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ (پارہ ۱۰۔ سورۃ التوبہ۔ رکوع ۱) "اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی مشرکین سے بیزاری ہے" یہ بھی فرمایا کہ، وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ۔ (پارہ ۱۰۔ سورۃ توبہ۔ رکوع ۸) "ان کو یہ مناسب تھا کہ خدا اور خُدا کے رسولؐ کو راضی کرتے۔" اور یہ بھی فرمایا کہ، وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (پارہ ۲۲۔ سورۃ احزاب۔ رکوع ۹) "جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ بڑی کامیابی پائے گا۔" یہ بھی ارشاد ہے کہ، وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (پارہ ۱۰۔ سورۃ توبہ۔ رکوع ۱۰) "مخالفین کیا یہی برا مناتے ہیں کہ اللہ نے اور اللہ کے رسولؐ نے اہلِ مدینہ اور مہاجرین کو غنی کر دیا ہے"۔ اس قسم کی آیات اور بھی بہت ہیں۔ مگر خلاصہ جواب یہ ہے کہ ایسے اشتراکی لفظوں سے عوام کو بچنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ حقیقت و مجاز میں امتیاز نہیں کرتے۔

۲۱۔ معاذ اللہ، خدا کا جھوٹ بولنا

ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ عذابی وعدہ میں جھوٹ بول سکتا ہے۔ اور اس مسئلہ کا نام کمبختوں نے امکان کذب رکھا ہوا ہے۔

ہم جواب دیتے ہیں کہ ذاتِ خداوندی کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا ہی ناجائز ہے اور وعدہ کرکے سزا نہ دینا اسے وعدہ خلافی نہیں کہتے بلکہ وہ اصول اختیاری کی تبدیلی ہے۔ اور اس خود اختیاری تبدیلی کو کوئی جھوٹ نہیں کہتا۔ کیونکہ جھوٹ ایک لعنت ہے۔ جس سے انسان بھی نفرت کرتے ہیں۔ تو بھلا خدا تعالیٰ اس سے نفرت کیوں نہ کریں گے؟ پس قیامت کے دن عذاب کے بجائے مغفرت کا استعمال کرنا خدا کا رحم اور مہربانی ہوگی۔ اسے کذب نہیں کہا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ، بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ۔ (پارہ ۱۱ - سورۃ یونس۔ رکوع ۴) "وہ کافر اس قرآن کی تکذیب کرتے ہیں جسے وہ خود پورے طور پر نہیں سمجھ سکے۔" پھر ارشاد ہے کہ، وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ (پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران۔ رکوع ۸) "وہ جانتے ہیں اور جان بوجھکر خدا پر افترا کرتے ہیں۔" ان آیات میں جھوٹ کی لعنت کو خدا تعالیٰ نے کفار کے حق میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ انکی عادت ہے۔ پس مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس لعنت کو اپنے خدا سے نسبت دے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جرائم پیشہ گرفتاروں کو حاکم حبس دوام یا قتل کی سزا دیتے ہیں۔ مگر کسی خاص مقرب کی سفارش سے یا اپنی خاص رحمدلی سے

یا رحم کی درخواست پر انکو معافی بھی دیدیتے ہیں۔ اور رہا کر دیتے ہیں۔ تو کیا اس صورت میں ان حکام کو وعدہ خلاف یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس معافی کا نام ذاتی اختیار کا استعمال ہے۔ اور احسان اور کمال مہربانی ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس رحیمانہ سلوک خداوندی کو جو وہ اپنے مجرم بندوں کے حق میں استعمال کرے گا کذب کا عنوان دیتا ہے وہ خود خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اس شخص سے بڑھکر اور کون زیادہ ظالم ہو سکتا ہے۔ جو خدا پر جھوٹ باندھے یا اسکی آیات کی تکذیب کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ ظالموں کی نجات نہ ہوگی۔ مخالف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا خدا ہر شے پر قادر نہیں تو جھوٹ پر کیوں قادر نہ ہوگا (جواب) بیشک صحیح ہے لیکن قدرت الہٰیہ ممکن اور نامناسب کیطرف متوجہ نہیں ہوا کرتی چنانچہ خدا اپنا شریک پیدا نہیں کرتا۔ اور اسی طرح کے اور ناواجب کام نہیں کرتا۔ پس ایسے بکواسات سے انسان کا فرض ہے کہ اپنی زبان کو روک رکھے۔

۲۲۔ اولیاء اللہ سے امداد طلب کرنا

ان مسائل میں سے استمداد کا مسئلہ بھی ہے جو صلحاء کی روحوں سے کی جاتی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ ناجائز ہے اور جو اللہ کے سوا کسی اور سے استمداد کرتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر دو طریق سے بحث ہے۔ اوّل صرف استمداد اور عدم استمداد پر، دوم استمداد سے نفع یا عدم نفع پر۔

نفس استمداد یعنی کسی سے امداد طلب کرنا۔ تو وہ زندوں سے عام طور پر حاصل کیجاتی ہے۔ اور کثیر الاستعمال اور مشہور ہے۔ چنانچہ مخالف بھی دنیاوی امور میں (مثلاً تعمیر مدارس، تبلیغ مذہب وہابیہ، اور اجرائے اخبارات) میں انکے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔ تو اگر صرف استمداد ہر طرح سے شرک ہے۔ تو مخالف خود شرک کر رہے ہیں۔ اور نفس استمداد میں ہمارے اور انکے درمیان کوئی فرق نہیں۔ مگر یہ فرق ضرور ہے کہ وہ فانی جسموں سے استمداد کرتے ہیں۔ اور ہم پاک اور غیر فانی ارواح سے استمداد کرتے ہیں۔

اب رہا استمداد سے نفع، تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اگر چاہے تو ہم کو ارواح طیبہ نفع دیتے ہیں۔ اور انکو فانی جسم نفع دیتے ہیں۔ اگر وہ نہ چاہے تو نہ ہم کو ان سے نفع ہوتا ہے نہ ان کو۔ اب اگر وہ یوں کہیں کہ ہم تو زندوں کے بدن سے استمداد کرتے ہیں اور تم مردوں کی روحوں سے استمداد کرتے ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ دراصل تم بھی ارواح سے ہی استمداد کرتے ہو۔ کیونکہ درحقیقت دینے والا یا رد کرنے والا روح ہی ہے۔ خواہ وہ جسم سے خارج ہو یا اسمیں داخل ہو۔

۲۲۔ بچوں کے نام انبیاءؑ و اولیاءؒ سے منسوب کرنا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ کچھ لوگ اپنے بچوں کے نام انبیاء علیہم السلام یا صلحائے اُمّت کیطرف منسوب کر دیتے ہیں۔ مگر مخالف اس شخص پر شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ جو اپنے بچوں کا نام نبی بخش، رسول بخش یا غلام محمدؐ یا غلام صدیق یا اسی قسم کا اور نام رکھے۔ کیونکہ اولاد دینے والا خدا ہی ہے۔ اور یہ جائز نہ ہو گا کہ اپنے بچے کا نام غیر اللہ کیطرف منسوب ہو اور غلام عبد کے معنے میں ہے۔ اور ہم سب عباد اللہ ہیں۔ اور عبدیت کی نسبت غیر اللہ کیطرف جائز نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ مان لیا کہ معطی اور مانع درحقیقت خدا ہی ہے مگر تاہم عطیہ کو غیر اللہ کیطرف منسوب کرنا مجازی طور پر جائز ہوتا ہے۔ کیوں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آکر یوں کہا تھا کہ تم کو پارسا لڑکا بخشنے آیا ہوں۔ اور یوں نہیں کہا تھا کہ اسلئے آیا ہوں کہ خدا تم کو لڑکا بخشے گا۔ جو پارسا ہو گا۔ تو جب جبرائیل علیہ السلام لڑکا دے سکتے ہیں تو کیوں حضور علیہ السلام کیطرف یہ عطیہ منسوب کرنا مجازی طور پر جائز نہ ہو گا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قولِ جبرائیلؑ تو امرِ الٰہی تھا اور تم کو کس نے حکم دیا ہے۔ تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک قولِ جبرئیلؑ امرِ الٰہی تھا۔ مگر اس نے ہمارے واسطے جواز کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اب رہا لفظ غلام تو اگرچہ وہ فارسی محاورہ میں عبد کے معنے میں ہے۔ تاہم اپنے بچوں کو صلحاء کے غلاموں کے ساتھ تشبیہ دینے میں کیا قباحت ہو گی۔ اور صلحا سے مراد نبیؐ ہیں۔ اور صحابہؓ اور اُمّتِ محمدیہؐ کے نیک بندے۔

کیا ان کے پاس خود اپنے غلام نہ ہوتے تھے یا انکو اپنی ذات سے منسوب نہ کرتے تھے ؟۔ اور یوں نہ کہتے تھے کہ اے میرے بندے اور اے میری لونڈی کیا خدا نے ان کو ان سے منسوب نہیں کیا کہ، وَ أَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ إِمَائِكُمْ (پارہ ۱۸۔ سورۃ النور۔ رکوع ۴) ” تم اپنے بندوں اور اپنی بندیوں کے نکاح کرا دیا کرو۔“ پس حقیقت میں تمام غلام اور تمام آزاد لوگ خدا کے بندے ہیں اور غلام اپنے آقاؤں کے مجازی طور پر بندے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں قرآن مجید میں کثرت کیساتھ حقیقت و مجاز کا استعمال ذکر کردیا ہوا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لوگوں کے بچے حقیقت میں اللہ کے بندے ہیں اور صلحائے امت کے مجازی طور پر بندے ہیں یہ ہماری تحریر کا آخری مقام ہے جسکا ہم نے ارادہ کیا تھا۔

یا اللہ میں نے اس تحریر سے اور کوئی ارادہ نہیں کیا سوائے اسکے کہ مسلمانوں کے عقائد کجروی اور گمراہی سے درست ہوں۔ پس اگر یہ تحریر تیری طرف سے ہے تو میں تیرا احسان اور فضل مانتا ہوں۔ تو اس سے اپنے مومن بندوں کو نفع دے اور اگر یہ تحریر غلط ہے تو یہ غلطی میرے نفس سے سرزد ہوئی ہے۔ اسلئے میں تجھ سے معافی اور مغفرت طلب کرتا ہوں یا اللہ ہمیں حق بات کو حق کر کے دکھلا اور حق کی اتباع ہماری قسمت میں کر اور باطل کو ہمیں بھی باطل کر دکھلا اور ہمیں اس سے پرہیز بخش۔ وَصلی اللہ علی سیدنا محمد خیر خلقہ و نور عرشہ و علی آلہ و اصحابہ واتباعہ وصالحی امتہ اجمعین۔ آمین یارب العٰلمین۔

تحریر رسالہ ھذا بروز دوشنبہ ۱۴، محرم الحرام ۱۳۶۰ سنہ ہجری ختم ہوئی۔

درودِ تُنجینا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً
تُنْجِیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ
وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا
بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّاٰتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ
اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ
مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ
اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝